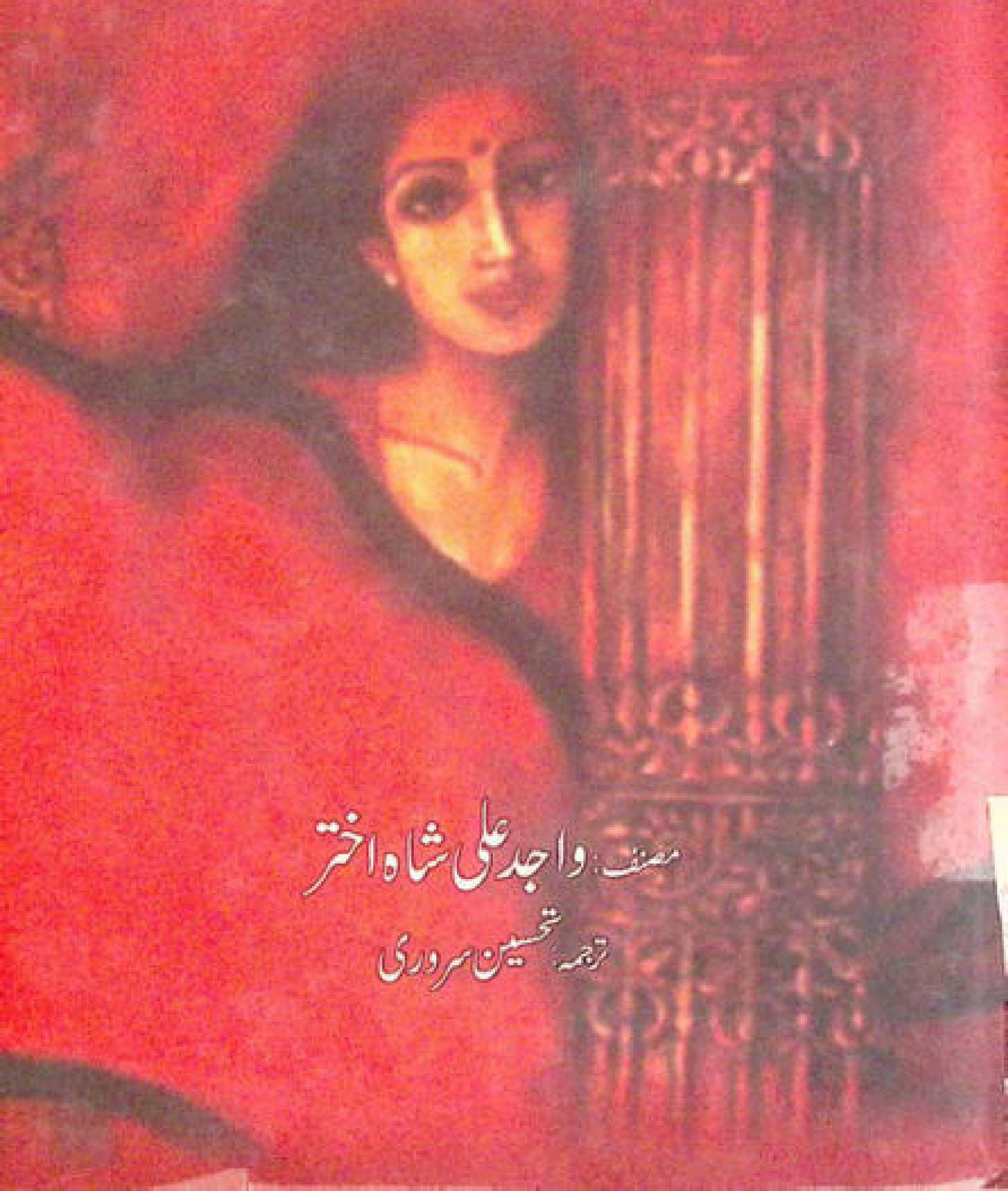
پری خانہ

اودھ کے آخری تاجدار جانِ عالم واجد علی شاہ اختر کی خودنوشت



مصنف: واجد علی شاہ اختر

ترجمہ: تحسین سروری

پری خانہ

اودھ کے آخری تاجدار جانِ عالم
واجد علی شاہ اختر کی خودنوشت

مصنف: واجد علی شاہ اختر

ترجمہ: تحسین سروری

العصر پبلیکیشنز
5۔شوکت پلازہ، B-16، ٹیمپل روڈ، مسقانوالہ چوک
لاہور۔ 042-7005287
alasrpublications@yahoo.com

کتاب کا نام	:	پری خانہ
مصنف	:	واجد علی شاہ اختر
ترجمہ	:	تحسین سروری
ناشر	:	**العصر پبلیکیشنز**
		5۔شوکت پلازہ، B-16 ٹیمپل روڈ
		صفانوالہ چوک لاہور 042-7005287
اہتمام	:	ایم جمیل انجم
پرنٹرز	:	زین نعمان پرنٹرز
سال اشاعت	:	اگست 2007ء
قیمت	:	150 روپے

فہرست

دیباچہ

مولانا مفتی انتظام اللہ صاحب شہابیؔ جو ہندوپاک کے صاحب علم وفضل بزرگوں میں ایک نمایاں حیثیت کے مالک ہیں اور جو مختلف علوم وفنون' خاص کر تاریخ وسیر کی بے شمار کتابوں کے مصنف ومؤلف کی حیثیت سے اردو میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں' میرے خاص عنایت فرماؤں میں سے ہیں۔

ایک روز میں نے موصوف کے پاس ایک قلمی کتاب دیکھی' جو جدید الخط ضرور تھی' لیکن صاف اور عمدہ طرز میں لکھی ہوئی تھی۔ میں نے کتاب لے کر مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ فارسی زبان کا ایک نایاب نسخہ ہے اور اس کا نام "پری خانہ" ہے اور اس کے مصنف تاجدار اَودھ جانِ عالم واجد علی شاہ اخترؔ ہیں۔

جیسے جیسے میں کتاب کو پڑھتا گیا' میری دلچسپی میں اضافہ ہوتا گیا' اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال میرے ذہن میں آیا کہ اس کتاب کو بہ اعتبار موضوع اردو زبان میں ہونا چاہیے تھا' اور خود واجد علی شاہ اخترؔ کا تعلق اردو زبان وادب سے جو رہا ہے' اس لحاظ سے بھی ان کی یہ یادگار تصنیف اردو ہی میں ہوتی۔ میں نے اس بات پر کافی غور کیا کہ آخر واجد علی شاہ کو اسے فارسی میں لکھنے کی کیوں ضرورت پیش آئی ہوگی لیکن کوئی خاص وجہ سمجھ میں نہ آئی' سوائے اس کے کہ ان کی یہ ایک شاہانہ ترنگ تھی۔

☆☆☆

واجد علی شاہ اخترؔ کے سوانح نویسوں اور تذکرہ نگاروں نے ان کی فارسی قابلیت کی بڑی تعریف کی ہے چنانچہ کتاب "پری خانہ" کے دیکھنے سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے

لیکن چونکہ یہ کتاب محض ان کے ذاتی اور نجی معاملات سے تعلق رکھتی ہے اس لیے ساز و سامان، زیور ولباس، نشست و برخاست کے الفاظ آداب و تعظیم کے کلمات، اور محاورات و اصطلاحات فارسی نسخہ میں سب کے سب وہی استعمال کیے گئے ہیں جو اس وقت عام طور پر لکھنؤ اور خاص کر شاہی محلات میں مروج تھے۔ اس لیے لازمی طور پر اس کتاب کی حد تک ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی فارسی نثر کا مزاج قطعی غیر ایرانی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ صرف افعال وضمائر فارسی ہیں باقی کا حصہ اردو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے ترجمہ کرتے وقت زیادہ دقت محسوس نہیں ہوئی۔

میں نے یہ بات جانِ عالم کی فارسی قابلیت کو کم بتانے کے لیے نہیں کہی بلکہ اس کتاب کی یہ خصوصیت مصنف کی غیر معمولی صلاحیتوں کی نشاندہی کرتی ہے، کسی بدیسی زبان میں دیسی خصوصیات کو سمو دینا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔

تاریخوں اور تذکروں میں واجد علی شاہ کی تصانیف کی ایک طویل فہرست ملتی ہے لیکن ان کی اس کتاب کا بہت کم ذکر آیا ہے۔ غالباً ہمارے مورخوں اور تذکرہ نگاروں کے جذبۂ ملی اور غیرت قومی نے یہ گوارا نہ کیا کہ ان کی اس نجی تصنیف کو جو محض وارداتِ عشق و محبت سے تعلق رکھتی ہے، منظرِ عام پر لایا جائے اور اس طرح وہ اپنی دانست میں یہ سمجھتے رہے کہ انگریزوں نے جو ان کی عیش پرستی اور امور ریاست سے غفلت کا چرچا کیا ہے، اس کی تکذیب ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ طریقہ انتہائی غلط تھا۔ تاریخ بہر حال ہر شخص کو اس کے اصلی روپ میں پیش کر کے ہی رہتی ہے۔

☆☆☆

میں نے "پری خانہ" کے متعلق داخلی معلومات کے علاوہ کچھ خارجی مواد بھی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے کامیابی نہ ہوئی البتہ مولوی نجم الغنی خاں رامپوری کی تاریخ اَودھ (جلد پنجم) کے دیکھنے سے ایک نئی چیز کا انکشاف ہوا۔ انہوں نے واجد علی شاہ کے "پری خانہ" کا بڑا تفصیلی تذکرہ قلم بند کیا ہے اور سارے حالات انہیں واجد علی شاہ کی ایک مثنوی سے دستیاب ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی مؤلف تاریخ اَودھ نے جگہ جگہ مذکورہ مثنوی

کے اشعار بھی نقل کیے ہیں' جن کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہوتی ہے۔ ان اشعار میں بڑی روانی اور برجستگی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف اس مثنوی کی تصنیف میں بے پناہ خلوص اور شاعرانہ کمالات کو کام میں لایا ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ واجد علی شاہ نے جب "پری خانہ" کو فارسی نثر میں تحریر کرلیا تو انہیں اس کو اردو نظم کا جامہ پہنانے کا خیال آیا ہوگا لیکن افسوس کہ اس مثنوی کے متعلق مجھے کچھ تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں' اور یہ بھی نہ معلوم ہوسکا کہ یہ مطبوعہ ہے یا غیر مطبوعہ' تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے یہ ایک دلچسپ انکشاف ہے۔

زیرِ نظر کتاب "پری خانہ" اور نجم الغنی کے بیانات میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے' مثلاً واجد علی شاہ نے "پری خانہ" میں اپنی ایک محبوبہ ننھی بیگم کو انشاء اللہ خاں انشاء کی نواسی بتلایا ہے لیکن تاریخ اَودھ میں انشاء کی بیٹی تحریر ہے۔ اسی طرح "پری خانہ" میں واجد علی شاہ نے لکھا ہے کہ جب وہ آٹھ برس کی عمر کے تھے تو رحیمن نامی ایک چہل سالہ عورت نے ان سے چھیڑ چھاڑ شروع کی لیکن نجم الغنی نے یہ واقعہ پانچ سال کی عمر کا بتایا ہے لیکن ہم واجد علی شاہ ہی کے بیانات کو صحیح تسلیم کریں گے۔

☆☆☆

اس کتاب میں مندرج واقعات کے ساتھ اگر تاریخ و سن کی بھی صراحت ہوتی تو شاید اس کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہوتا لیکن چونکہ مصنف کا مقصد اس کو تاریخی کتاب بنانا نہیں تھا اور اس کے علاوہ ہر واقعہ رونما ہوتے ہی فوراً قلم بند نہیں کیا گیا' بلکہ آٹھ سال کی عمر سے ۲۶ سال کی عمر تک وہ جن وارداتِ عشق و واقعاتِ ہجر و وصال سے دوچار ہوا تھا' انہیں کافی مدت بعد محض حافظے کی مدد سے چند ماہ میں مرتب کیا ہے' یہی وجہ ہے کہ کتاب کے تسلسل میں بھی کچھ خلل واقع ہوگیا ہے' چند ایک مقامات پر جو تاریخی حوالے ملتے ہیں وہ یہ ہیں:

☆ واجد علی شاہ کی ۱۵/ شعبان ۱۲۵۳ھ کو علی نقی خاں ابن شریف الدولہ بن مدارالدولہ کی دختر سے شادی ہوئی۔

☆ ۱۲۵۵ھ میں اعظم بہو صاحبہ نواب خاص محل کے بطن سے دوسرا فرزند فلک قدر

بہادر تولد ہوا۔

☆ ایک دفعہ واجد علی شاہ سوزاک کے مرض میں سخت مبتلا ہوئے۔ علالت کے زمانہ میں پریوں اور بیگموں نے بڑی بے اعتنائی اور بے پروائی کا سلوک کیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۲۶۵ھ کا ہے۔

☆ فضہ حبشن کے بطن سے واجد علی شاہ کی جو دختر جہاں آراء بیگم تھی وہ تین سال کی عمر میں ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۶۵ھ کو فوت ہوئی۔

☆☆☆

واجد علی شاہ کی تخت نشینی ۱۲۶۳ھ م ۱۸۴۷ء میں ہوئی۔ اس کے دو سال بعد یعنی ۱۲۶۵ھ میں کتاب "پری خانہ" تصنیف ہوئی۔ اس دوران میں بے شمار ملکی و سیاسی حالات ایسے پیدا ہوئے جن کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امور ریاست سے متعلق اس کتاب میں ایک لفظ بھی نہیں۔ اگر ضمناً کوئی ایسی بات ضبط تحریر میں آ گئی ہے تو وہ اتنی اہم نہ ہوگی کہ ہم اس سے تاریخی مواد کا کام لے سکیں۔

تخت نشینی کے پہلے ہی سال یعنی ۱۸۴۷ء میں لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل لکھنؤ آ کر واجد علی شاہ کے شاہی مہمان ہوئے تھے۔ ان کے لکھنؤ آنے سے قبل استقبال کے لیے واجد علی شاہ کانپور تک بڑے شاہانہ کروفر کے ساتھ گئے۔ ان کے کانپور تک جانے اور لارڈ ہارڈنگ سے ملاقات کرنے کے تمام واقعات تواریخ اودھ (جلد پنجم) اور مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم کے دیباچہ "حزن اختر" میں پڑھنے کے لائق ہیں۔ واجد علی شاہ کا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ وہ اپنی چند بیگموں کی بیوفائی اور ناروا سلوک کا نشانہ بنے ہوئے تھے چنانچہ "پری خانہ" میں ان کے سفر کانپور کا ضمناً یوں ذکر ملتا ہے:۔

> "چند روز بعد قیصر بیگم صاحبہ کی سفارش پر میں نے حضرت بیگم صاحبہ کا قصور معاف کیا اور انہیں رتبۂ اعلیٰ پر سرفراز کیا۔ اسی دوران میں لارڈ صاحب کی ملاقات کے لیے کانپور کا سفر اختیار کیا۔ تمام محلات روزانہ میری خیریت معلوم کرواتی تھیں لیکن نئی بیگمات میں سے ایک

نے بھی مجھے نہیں پوچھا۔"

کانپور سے واپسی کے چار دن بعد لارڈ ہارڈنگ لکھنؤ آئے تو اس موقع پر بڑی شاندار ضیافتیں ہوئیں اور سارے شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ واجد علی شاہ اور لارڈ ہارڈنگ میں ریاست کے نظم ونسق اور داخلی امور پر بڑی اہم بات چیت ہوئی لیکن "پری خانہ" میں اس واقعہ کا بھی کوئی ذکر نہیں ملتا۔

یہ چند ایک ایسے واقعات ہیں جن کی وجہ سے یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ دراصل واجد علی شاہ کو ریاست اور امورِ ریاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' بلکہ وہ صرف ناچ گانے اور پریوں اور بیگموں کے ناز و انماض میں کھوئے ہوئے تھے لیکن میرے خیال میں ایسا قیاس کرنا واجد علی شاہ کے ساتھ سخت ناانصافی ہوگی۔ "پری خانہ" ان کی صرف نجی زندگی سے متعلق تصنیف تھی اور اس میں بھی اس کا ایک خاص موضوع تھا۔ اس لیے اگر اس میں اِدھر اُدھر کے واقعات بھی درج ہو جاتے تو شاید اس کی اب جو خصوصیت ہے وہ باقی نہ رہتی اور یہ کتاب مختلف واقعات کا مجموعہ ہو کر رہ جاتی۔ مصنف کا تو کمال یہ ہے کہ اس نے کتاب کو جس موضوع کے لیے مخصوص کیا ہے آخر تک اس کو برقرار رکھنے کی سعی کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "پری خانہ" واجد علی شاہ کی سوانح عمری کا ایک ایسا دلچسپ باب ہے جس کو سوائے واجد علی شاہ کے کوئی اور اتنی عمدگی سے تحریر نہ کر سکتا تھا۔

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جنسی مریض کی داستانِ ہجر و وصال ہے' جو بادشاہ ہونے کے باوجود حالات و خواہشات کا غلام اور ایک مجبور و بے بس انسان ہے تو یہ ہرگز محسوس نہیں ہوتا کہ ہم ایک تخت و تاج کے مالک کی تحریر پڑھ رہے ہیں۔ اس لحاظ سے واجد علی شاہ اختر کی تصنیف بڑی اہم ہے اور ان کے کردار کے بہت سارے پہلو روشن ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

شاہِ اَوَدھ کی بیگمات و محلات کی ایک بڑی تعداد ہے اور ان کے القاب و خطابات بھی اتنے پرشکوہ ہیں کہ وہ معزز و ممتاز خاندانوں کی خواتین معلوم ہوتی ہیں لیکن غالباً "پری

خانہ" ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے ذریعہ سے ان بیگمات ومحلات کے صحیح حالات معلوم ہوتے ہیں۔

مثنوی "حزنِ اختر" میں جن بیگمات کا تذکرہ ملتا ہے ان میں سے بیشتر کے نام "پری خانہ" میں بھی ملتے ہیں اور یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان میں زیادہ تر اپنی سابقہ زندگی میں شاہدانِ بازاری تھیں۔

توقع ہے کہ واجد علی شاہ اختر کی اس یادگار تصنیف کے ترجمہ کو دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

تحسین سروری



پہلا باب





معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند عالم نے ہر آدمی کو عشق کی لذت عنایت فرمائی ہے اور ہر ذی روح کو اس گلشن ہمیشہ بہار میں نشوونما بخشی ہے۔ چنانچہ میرا خمیر بھی اسی آب و گل سے اٹھا ہے اور یہ دردِ جگر روزِ اوّل سے میرے حصہ میں آیا ہے' لہٰذا میں اپنی داستانِ عشق و محبت' جو اوائلِ عمر سے اس وقت تک گزری ہے' تحریر کر رہا ہوں۔ اس وقت میری عمر کا چھبیسواں سال شروع ہے اور میں اس دشتِ پر فضا کی بہت کچھ سیریں کر چکا ہوں۔

تصویرِ یار دل میں ہے گو منہ پہ وہ نہیں
اختر خدا کا شکر صنم خانہ رہ گیا

(1)

رحیمن

جب میری عمر آٹھ برس کی تھی' رحیمن نام کی ایک عورت میری خدمت کے لیے مامور کی گئی۔ رحیمن کی عمر کوئی پینتالیس سال کی تھی۔ وہ ہر وقت میری خدمت میں حاضر رہتی..... ایک دن جب میں سو رہا تھا اس نے مجھ پر قابو پا لیا اور مجھے چھیڑنے لگی چونکہ میں ابھی بچہ تھا' اس لیے مارے ڈر کے میں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس عورت نے مجھے روک لیا اور یہ کہہ کر ڈرایا کہ میرے استاد اور اتالیق سے مجھے سزا دلائے گی۔ میں پریشان تھا کہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔ اس روز کے بعد سے اس کا یہ معمول ہو گیا کہ وہ میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کیا کرتی!

میں جب دس برس کا ہو گیا تب بھی رحیمن کا دستور اسی طرح جاری تھا۔ اس کے بعد خدا جانے وہ کہاں چلی گئی' مجھے کچھ یاد نہیں۔
چونکہ شروع سے عشق کے معاملات سے مجھے رغبت رہی ہے اس لیے اکثر عاشقانِ صادق کے حال پر میں افسوس کرتا ہوں اور بے رحم معشوقوں کو برا بھلا کہتا ہوں۔

(۲)

امیرن

اسی زمانہ میں جنابِ معظمہ و مکرمہ والدہ صاحبہ مدظلہا العالی کی خدمت میں امیرن نام کی ایک عورت ملازم تھی۔ اس کی عمر پینتالیس چالیس کے لگ بھگ ہو گی۔ گندمی رنگ' چھریرا بدن اس کی بائیں آنکھ کی پتلی میں سفید تل تھا۔ وہ ہمیشہ رنگ دار کپڑے پہنے رہتی تھی' تاکہ دیکھنے والوں کو خوبصورت معلوم ہو۔ یہ عورت چال چلن کی اچھی نہ تھی۔ اکثر مردوں کو اپنے دامِ فریب میں گرفتار کر کے ناز و غمزہ کے کرتب دکھانا اسے خوب آتا تھا۔ ہمیشہ وہ چار روپے مشاہرہ پر نوکری کرتی تھی لیکن اس کے باوجود عیش و عشرت کی زندگی گزارتی تھی۔ دراصل کچھ ناجائز آمدنی سے اپنی آرائش و زیبائش کا خرچ پورا کرتی تھی۔
ایک روز میرے سارے عزیز نصیر الدین حیدر بادشاہ خلد منزل کے ہاں منا جان کے ختنہ کی تقریب میں گئے ہوئے تھے۔ جب دیکھا کہ سارا گھر خالی ہے' اس عورت نے' جب کہ میں بستر پر محوِ خواب تھا' رات کے وقت میرے نزدیک آ کر مجھے اپنے ہاتھوں سے دبایا۔ میری طبیعت بھی پہلے سے اس کی طرف کچھ مائل تھی' اس لیے اس کی اس بے تکلفانہ حرکت پر مجھے غصہ نہ آیا' بلکہ اپنے کو محوِ خواب ظاہر کیا تاکہ اس کے جذبات ٹھنڈے نہ پڑ جائیں۔ اس طرح میں دل ہی دل میں اس کے دلی جوش اور ولولوں کا لطف اٹھاتا رہا' اگرچہ میں اس وقت اس کے بے جا نازنخروں کو خاطر میں نہ لایا لیکن گیارہ برس کی عمر تک وہ میرا مرکزِ خیال بنی رہی۔

(۳)

بنو صاحب

جب میری عمر گیارہ برس کی ہوئی تو میں ہر حسین عورت کو محبت بھرے جذبات سے دیکھتا اور کوشش کرتا کہ وہ میرے مطلب کو سمجھے۔ اس طرح میں اپنی ہر منظورِ نظر عورت کی دل ستاں اداؤں سے لطف اندوز ہوتا۔ اسی زمانہ میں ایک عورت مسمی بنو صاحب' جس کا باپ حبشی تھا اور اس کا نام غالباً شیدی سلطان تھا اور ماں ہندوستانی تھی' میری والدۂ ماجدہ کے یہاں مغلانی کے عہدے پر مامور تھی۔ یہ عورت شادی شدہ تھی اور اس کے میاں کا نام مرزا جان تھا۔ میں چند دنوں سے اس کے دامِ محبت میں گرفتار تھا اور اس کے وصل کا خیال دل میں سمایا ہوا تھا لیکن یہ ایک امرِ محال تھا۔

چونکہ وہ عورت فہمیدہ اور عصمت مآب تھی' اس لیے بڑی ترکیب سے مجھے خوش کر کے ٹال دیتی۔ آخرِ کار میں نے اسے دوگانہ کے لفظ سے ملقب کیا اور ہر روز محض تعلقِ خاطر کی بنا پر اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتا اور اپنا دل بہلایا کرتا' اس ارتباط و رسم و راہ و دوستی کا مقصد بے لوث محبت کے سوا کچھ نہ تھا۔

بنو صاحب کی عمر تیئیس یا اس سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ سیاہ فام' میانہ قد' سڈول جسم' ہونٹ اور دانت خوبصورت' بھوؤں کے بال کسی قدر کم' آنکھوں میں شرارت آمیز شوخی' ستواں ناک' سر کے بال کسی قدر گھونگریالے' ہاتھ اور پاؤں متناسب اور انگلیاں نرم تھیں۔ وہ کسی قدر پڑھی لکھی بھی تھی۔ قرآن شریف اور اردو کی آسان کتابیں بے رکے پڑھ سکتی تھی۔ سینے پرونے میں طاق تھی۔ گنجفہ (ایک کھیل جو تاش کی طرح کھیلا جاتا ہے) کھیلنا بھی جانتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی صاحبِ عصمت بھی تھی۔

جنابِ والدۂ معظمہ و مکرمہ کی وہ بہترین رفیق تھی۔ اس کا ایک بھائی اور چار بہنیں تھیں۔ بھائی کا نام شیدی احمد تھا' جس کے پاس اب وزیرن نام کی ایک طوائف ہے' جو قبل

ازیں نصیر الدین حیدر بادشاہ کے ہاں گانے والیوں میں نوکر تھی' اور مجھ سے بھی اس کی ملاقات تھی لیکن اب شیدی احمد کے گھر پڑی ہے اور اس سے کچھ ناراض بھی رہتی ہے۔

مختصر یہ کہ بنو صاحب کی چار بہنوں میں سے ایک کا نام حاجی خانم تھا' جو کہ بنو صاحب سے چھوٹی اور شادی شدہ تھی۔ وہ ایک دن مہمان کی حیثیت سے اپنی بہن بنو صاحب کے ہاں جناب والدہ صاحبہ معظمہ کے مکان میں آئی ہوئی تھی۔

(۴)

حاجی خانم

برسات کا موسم اور ساون کا مہینہ تھا۔ میں اپنی دادی مریم مکانی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ایک عورت جس کی عمر بائیس برس کی تھی' صورت سے شوخ و طرار معلوم ہوتی تھی' قد کسی قدر دراز' انگ انگ خوبصورت' بھوؤں کے بال ہلکے' بڑی بڑی اور رسیلی آنکھیں' نازک کمر' آنکھوں کی پتلیاں سبزی مائل اور ان میں سرمہ' لب و دنداں دل آویز' ہاتھ پاؤں متناسب' سر کے بال گھونگر والے' لبوں پر مسی کی دھڑی' ہاتھوں میں مہندی کا رنگ رچا ہوا' کانوں میں زمرد کے بندے' جن کی روشنی کی جھلک اس کے صاف و شفاف رخساروں پر پڑ کر ایک عجیب سامانِ تفریح فراہم کر رہی تھی۔ وہ سراسر عطر میں بسی ہوئی تھی' جس کی مہک سے مشامِ جاں کو تازگی حاصل ہوتی تھی۔ پانچ سال کی عمر کے ایک بچے کو گود میں لیے ہوئے ایک خاص دلبرانہ انداز سے وہ آئی اور دادی صاحبہ کو ادب سے جھک کر سلام کیا۔

میں نے پہلی ہی نظر میں اس کے عشق کا تیر دل پر کھایا اور اسی وقت میرا سینہ الفت کی آگ سے یوں جلنے لگا جیسے حمام لکڑیوں کی آگ سے جلتا ہے۔ صبر کا یارا نہیں رہا' شکیب کی طاقت سلب ہو گئی' یہاں تک کہ بنو صاحب کی یاد بھی دل سے محو ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس گلِ بہار آفریں کا دل سے شیدا ہو گیا' اور دل ہی دل میں کہنے لگا: "یا اللہ! کیا ہی اچھا ہوتا اگر میں اس حور شمائل اور پری پیکر کے گلشنِ شباب کا طائرِ ہزار داستان ہوتا۔"

چونکہ میرے سارے اعزہ نئی ہونے کی وجہ سے اس پر کڑی نگرانی رکھتے تھے اس لیے میرا کچھ بس نہ چلا۔ میں تو صرف اس کے جمالِ جہاں آرا کی دور ہی سے زیارت کرتا رہا۔

اسی طرح رات گزری' اور دن نکل آیا لیکن بے بسی کا وہی عالم تھا چونکہ میں اسرارِ عشق سے واقف نہ تھا اس لیے اندر ہی اندر میری حالت خراب ہو رہی تھی لیکن میں نے اپنے اس دردِ نہاں کا کسی کو علم بھی نہ ہونے دیا۔ آخر کار کچھ دنوں بعد حاجی خانم میرے حالِ زار سے آگاہ ہو گئی اور میری بے غرض محبت اس کے دل میں بھی جاگزیں ہو گئی۔

حاجی خانم کی ایک آتو (استانی) اماں خانم نام کی تھی جو بے حد بدشکل عورت تھی۔ اس کی عمر چالیس سال بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہی تھی' اور اس عورت نے میری بہن کو پڑھایا تھا۔ اس کو حاجی خانم کے سلسلہ میں پیغامبر مقرر کیا' جس کی وجہ سے حاجی خانم کے تمام تفصیلی حالات معلوم ہوئے' مگر اماں خانم کو خود اپنے بارے میں خوش فہمی تھی۔ اس درجہ بدصورت تھی' خود کو شکل وصورت کے معاملہ میں یکتائے روزگار سمجھتی تھی۔ چنانچہ اس نے اس کا بھی کچھ خیال نہ کیا کہ وہ حاجی خانم کی استانی ہے اور ہماری ہمراز ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھ پر کمندِ عشق ڈالنے لگی' لیکن میں اس کے کسی فریب میں نہ آیا۔

میں اور حاجی خانم دکھاوے کے طور پر اس کی خاطر داری اور تواضع وتوقیر میں کوتاہی سے کام نہ لیتے اور وہ شیطان کی خالہ اپنے دل میں یہ سمجھے ہوئے تھی کہ میں فی الواقعی اس کے تیرِ ادا کا گھائل ہوں' اور اس کی فرقت میں رات دن ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا رہتا ہوں' لیکن وہ اس بات سے بے خبر نہ تھی کہ

من در چہ خیالیم وفلک در چہ خیال

میں اپنے بزرگوں کا بڑا لحاظ کرتا تھا' خاص کر اس قسم کے معاملات میں احتیاط سے کام لیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان امور میں اماں خانم ایک موزوں عورت معلوم ہوئی لہٰذا میں نے اور حاجی خانم نے مجبوراً اس بدشکل و بدنہاد عورت کی بے جا اطاعت کو اپنا شیوہ

بنالیا۔

بعض اوقات یہ بدخو عورت کہا کرتی کہ میں حاجی خانم کی دوست اور رازدار ہوں' اس لیے میرا لحاظ کیا کرو' تم دونوں شراب عشق کے متوالے میری فرمانبرداری کے بغیر اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ الغرض ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں حاجی خانم کی محبت کی آگ سے میرا سینہ نہ پھنکا جاتا ہو۔ وہ بھی مجھ پر بری طرح گرویدہ تھی' عموماً ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ جب اپنے گھر جاتی تو میری جدائی کے غم میں دن رات روتی رہتی' ادھر میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہو جاتا لیکن مفارقت کا یہ رنج مجھے زیادہ نہ کھینچنا پڑتا تھا' اس لیے کہ وہ کسی نہ کسی بہانے اپنے گھر سے جلد ہی واپس آ جاتی۔

ہم دونوں لیلیٰ مجنوں جب کسی جگہ بیٹھتے تو آپس میں بڑی پر لطف گفتگو ہوتی اور پیار محبت کی باتوں سے اپنے دل بہلایا کرتے لیکن جس طرح حاجی خانم کی باتوں میں شیرینی ہوتی اسی طرح بعض وقت وہ تلخ کلامی پر بھی اتر آتی تھی جس سے میرے دل کو ٹھیس پہنچتی۔ کبھی کبھی وہ اپنے شوہر کا بھی ذکر کرتی۔ اس موقع پر میں رنجیدہ ہو جاتا لیکن وہ اس کیفیت کو دیکھ کر روئے سخن بدل دیتی اور خلوص و محبت کی باتیں کر کے میرے دل کا غبار دور کر دیتی۔

بنو صاحب کے پاس ایک لونڈی الٰہی خانم نام کی تھی' جو حاجی خانم کی بھاوج یعنی شیدی احمد کی حرم تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس زمانہ میں وہ بھی مجھ پر فریفتہ تھی۔ مختصر یہ کہ تیرہ چودہ برس کی عمر تک حاجی خانم سے مجھے بے داغ محبت رہی۔ چونکہ وہ شوہر والی عورت تھی اور اس کا گھر فیض آباد میں تھا اس لیے ہمارے ہاں وہ زیادہ دن نہ ٹھہر سکی۔ جب وہ اپنے گھر جانے لگی تو اس نے مجھے ایک انگوٹھی اور ہاتھی دانت کی دو چار کنگھیاں دیں تاکہ میں نشانی کے طور پر رکھوں۔ چنانچہ میں نے اس کی یہ نشانیاں بادل ناخواستہ قبول کیں اور اسے خدا کی امان میں دے کر رخصت کیا۔

(۵)

شادی

جب میں پندرہ برس کی عمر کا ہوا تو میرے والدین کو میری شادی کی سوجھی۔ کافی سوچ بچار کے بعد تجویز یہ قرار پائی کہ دخترِ منیر الدولہ بہادر (جن کا اس وقت تاجدار بہو خطاب ہے اور میرے بھائی مرزا اسکندر حشمت بہادر کی بیوی اور میری چچی کی بیٹی اور میری نسبتی ہمشیر ہیں) سے نسبت قرار پائی لیکن کسی وجہ سے میں نے یہ رشتہ منظور نہ کیا۔

بعد ازاں سیف الدولہ بہادر کی لڑکی (سیف الدولہ گونڈہ بہرائچ کے چکلہ دار تھے) پر نظرِ انتخاب پڑی اور بات چیت بھی مکمل ہو چکی تھی لیکن کچھ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ شادی معرضِ التوا میں پڑی رہی۔

اس کے بعد میری ایک رشتہ کی چچی وزیر صاحبہ بنتِ کلن کی دختر سے شادی قرار پائی۔ (وزیر صاحب میری والدۂ ماجدہ کی نسبتی بہن ہیں اور اب تک زندہ ہیں) وزیر صاحبہ نے دل سے یہ پیغام قبول کیا لیکن ان کی لڑکی کو کوڑھ تھا اور انہوں نے ہم لوگوں سے یہ عیب چھپائے رکھا تھا۔ غرضیکہ یہ رشتہ بھی ختم ہو گیا۔

آخر کار جانی خانم کے توسط سے، جو کہ میری دادی انجم النساء بیگم کی منہ بولی بیٹی اور ان دنوں مشاطہ کا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہے، نواب علی نقی خاں مرحوم کی دخترِ نیک اختر سے نسبت کا پیغام دیا گیا۔ چونکہ یہ بڑا معزز خاندان تھا اس لیے مجھے بھی یہ رشتہ پسند آیا اور میرے والدین بھی اس رشتہ سے بہت خوش ہوئے اور پندرہ شعبان المعظم ۱۲۵۳ھ کو مانجھے کی رسم ادا کی گئی لیکن شاید خدا کو یہی منظور تھا کہ میری ہونے والی بیوی کی چچی سلطان بیگم کا انتقال ہو گیا اور ادھر میرے عمِ محترم اصغر علی خاں ناصر الدولہ بہادر خلفِ اکبر حضرت فردوس منزل و والدِ بزرگوار ممتاز الدولہ بہادر وفات پا گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری تقریب کتخدائی تاریخِ معینہ پر نہ ہو سکی اور میں کامل دو ماہ تک مانجھے کے کپڑوں میں لیٹا رہا جو زیادہ دن

گزرنے کی وجہ سے میلے اور گندے ہو گئے تھے۔ اللہ اللہ کر کے دو ماہ گزرے اس کے بعد رواج کے مطابق رسوم ادا ہوئے اور میرا عقد ہو گیا جس میں شان و شوکت کا غیر معمولی اہتمام کیا گیا۔

مجھ میں اور میری منکوحہ بیوی میں شروع کے پانچ مہینے تک محبت کا وہ ارتباط قائم رہا جو میاں بیوی میں ہوتا ہے۔

(۶)

حضرت فردوس منزل کی تخت نشینی

میری شادی ہو کر ابھی پانچ ماہ ہی گزرے تھے کہ نصیر الدین حیدر بہادر نے اس دنیائے فانی سے منہ موڑ کر عالمِ بقا کی راہ لی۔ اس کے بعد میرے دادا نصیر الدولہ بہادر فردوس منزل نے تخت نشین ہو کر عنانِ حکومت سنبھالی اور ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مطابق انعام و خطاب مرحمت فرمایا اور میرے والدِ محترم حضرت جنت مکاں کو ولی عہدی کا خلعت سرفراز فرمایا۔ ہر چھوٹے بڑے کی معقول تنخواہوں سے عزت بڑھائی لیکن مجھے اور میری زوجہ کو اپنی کسی عنایت سے مفتخر نہ فرمایا۔

میرا مشاہرہ مقرر نہ ہونے کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت فردوس منزل مغفور بڑے عاقل و زیرک آدمی تھے۔ انہوں نے یہ سوچا کہ حضرت جنت مکان کے بعد میں ہی ریاست کو سنبھالنے کا اہل ہوں۔ غالباً اسی وجہ سے انہوں نے اپنی تخت نشینی کے وقت مجھے اپنا مورد عنایات بنانا پسند نہ کیا۔ بس یہی ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔

یہ حال دیکھ کر میرے والد ماجد ولی عہد بہادر ثریا جاہ حضرت جنت مکان نے اپنی جیب خاص سے میرا پانچ سو روپے اور میری بیوی کا چار سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ اس خیال سے کہ میں کہیں افسردہ خاطر نہ ہو جاؤں۔

اس دوران میں، میں اپنے محل کی نوکرانیوں اور خادماؤں سے چھپ چھپ کر ملتی

مذاق کیا کرتا تھا لیکن میری یہ حرکت میری بیوی کو ناگوار ہوتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے چند نوکرانیوں کو نکال دیا اور میری نگرانی کے لیے معقول انتظام کیا لیکن میں اپنی شوخی طبع سے مجبور تھا' دن رات اسی قسم کے خیالات میں مستغرق رہتا تھا۔

(۷)

مرزا نوشیرواں قدر بہادر کی پیدائش

والد ماجد حضرت جنت مکان کی ولی عہدی کا زمانہ گزر کر ایک سال ہوا' اس اثناء میں میرے ہاں نواب اعظم بہو صاحبہ کے بطن سے ایک فرزندِ ارجمند تولد ہوا' جس کا نام مرزا نوشیرواں قدر بہادر ہے۔ میرے جدِ اعلیٰ حضرت فردوس منزل اس خبر فرحت اثر کو سماعت فرما کر بہت خوش ہوئے۔ اس خوشی میں مجھے اعلیٰ خلعت عنایت کیا اور ناظم الدولہ فخر الملک محمد واجد علی خاں بہادر صولت جنگ کے خطاب دیئے اور میرے فرزند کو مرزا نوشیرواں قدر بہادر کے نام سے ملقب کیا۔

میرے فرزندِ دل بند کو چونکہ مرزا نوشیرواں قدر بہادر کا خطاب ملا تھا' اس لیے اس کے دو تین ماہ بعد میرا خطاب بدل کر مرزا خورشید حشمت محمد واجد علی کے نام سے مخاطب فرمایا۔

(۸)

مرزا فلک قدر بہادر کی پیدائش

مرزا نوشیرواں قدر بہادر کے پیدا ہونے کے بعد ۱۲۵۵ھ میں فرزندِ دوئم محلِ سابقہ کے بطن سے تولد ہوا جس کا نام میرے جدِ امجد نے مرزا فلک قدر بہادر تجویز فرمایا۔ اس وقت میری عمر سترہ برس کی تھی۔

چونکہ ابھی میرے عنفوانِ شباب کا زمانہ تھا اور مجھ میں جوانی کا جوش وخروش اور

طبیعت پر شور تھی' اس لیے مجھ میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ شباب کا یہ عہد خوبصورت و خوش جمال عورتوں کی معیت میں گزاروں لیکن کچھ ایسی رکاوٹیں تھیں کہ میں آزادانہ طور پر اپنی خواہشات کو پورا نہ کرسکتا تھا۔ آخر میں نے یہ ترکیب سوچی کہ میں تسکینِ قلب کے لیے عورتوں کو خادماؤں کی حیثیت سے ملازم رکھ کر خفیہ طور پر ان سے عشق و محبت کے مراسم بڑھاؤں۔ اس راحت افزا تجویز سے دلِ بے قرار قابو میں آیا۔ چنانچہ اسی خیال کے پیشِ نظر میں نے موتی خانم نام کی ایک عورت کو نوکر رکھا۔ چھریرا بدن' گندمی رنگ' بڑی اور خوبصورت آنکھیں' لمبی بھنوئیں' طبیعت میں چالاکی' مزاج میں گرمی' اس کی آنکھوں پر کچھ چیچک کے داغ تھے۔ وہ عورت قبل ازیں' مرزا نصیرالدین حیدر مرحوم کے ہاں جلسہ والیوں میں ملازم رہ چکی تھی۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی کہ میں نے موتی خانم کو اپنے آرام اور اپنے دل کی مرادیں پوری کرنے کی خاطر ملازم رکھا تھا۔ لیکن میرا یہ عمل میرے محل کو سخت ناگوار گزرا اور انہوں نے بڑا اودھم مچایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موتی خانم اپنی ملازمت سے برطرف کردی گئی اور میں جناب والد صاحب قبلہ کا معتوب ہو کر نظر بند کر دیا گیا۔

(۹)

موتی خانم سے محبت

اس واقعہ کے بعد میں گوشہ نشین ہو گیا اور اپنی طبیعت کو شعر و شاعری کی طرف راغب کیا۔ اس کے باوجود دل کا غبار دور نہ ہوتا تھا۔ جناب والد صاحب قبلہ کی برہمی سے زندگی بے مزہ سی ہو کر رہ گئی تھی۔

جب میرا حال والد صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی زبان سے یہ حکم صادر فرمایا کہ اس عورت کو بلا کر میرے حوالے کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی یہ شرط بھی رکھی کہ وہ اس گھر میں نہیں رہ سکے گی بلکہ کسی اور گھر میں اتاری جائے' اور وہ کبھی میرے سلام کو حاضر نہ

ہوا کرے..... میں نے چونکہ یہ کہہ رکھا تھا کہ جب تک موتی خانم مجھے واپس نہ ملے گی میں کھانا پینا حرام سمجھوں گا' میرے خیال میں یہ حکمِ عالی اسی لیے سنایا گیا ہوگا۔

جیسے ہی حاکمِ عالی نافذ ہوا موتی خانم کو میری خدمت میں حاضر کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے چونکہ ماں باپ کی اطاعت کو دنیا کے جملہ امور سے افضل قرار دیا ہے' اس لیے میں نے اس عورت کو علیحدہ کر دیا اور حضرت قبلہ کی خدمتِ اقدس میں عرضداشت پیش کی کہ یہ بندۂ بے دام بطورِ فرمانِ واجب الاذہان آپ کا تابع ہے اور یہ میری مجال نہیں کہ میں آپ کی رضامندی کے خلاف کوئی اقدام کروں۔

میری عرض سماعت فرمانے کے بعد ارشادِ عالی ہوا کہ تم موتی خانم کو خوشی سے الگ کر سکتے ہو۔

اس کے بعد میں نے موتی خانم کو اپنے سے جدا کر دیا۔ اس دن کے بعد سے کبھی بھول کر بھی میں نے اس عورت کا خیال نہ کیا۔ اگرچہ والد صاحب مرحوم داخلِ جنت ہو چکے ہیں اور ان کے بعد میں ریاست کا خود مختار بادشاہ ہوا اور جو میرا جی چاہے وہ کر سکتا تھا لیکن جو وعدہ کر چکا تھا' اس کو پورا کرنا ہے۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ میری عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی۔ اسی زمانے میں مجھے فنِ شعر کا شوق ہوا' اور اس عورت یعنی موتی خانم کی محبت میں غزلوں کے دو دیوان مرتب کئے اور تین مثنویات موزوں کیں لیکن اپنے دل کی بے چینی کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آتشِ غم میں میں اتنا جلا کیا کہ مجھ میں جان نام کو رہ گئی تھی..... اس پرالم واقعہ کے بعد میں نے اپنے محل کی طرف کبھی التفات نہ کیا' جس کا انہیں بڑا رنج ہوا۔ کئی بار انہوں نے فکر مند ہو کر میرا حال پوچھا اور میری بے التفاتی کا سبب دریافت کیا لیکن میں بالکل خاموش رہا اور ان کی ایک بات کا بھی جواب نہ دیا۔

چونکہ وہ بڑی زیرک اور فہمیدہ عورت واقع ہوئی ہیں' اصل بات کی تہہ کو پہنچ گئیں اور یہ سمجھ گئیں کہ یہ سب کچھ خود انہیں کی حرکتوں کا نتیجہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں محسوس ہوا

کہ مجھے خوش رکھے بغیر یا میری مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھا کر خوش وخرم زندگی گزارنا محال ہے۔ چنانچہ مجھ سے خوشامدانہ انداز میں کہنے لگیں کہ اگر آپ کو میری طرف سے کوئی تکلیف پہنچی ہے تو مجھے اس کا افسوس ہے اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ ہر طرح آپ کی رازدار رہوں گی۔ آپ کا جس کسی پر بھی دل آئے اس سے عشق کیجئے۔ میں ہرگز مزاحم نہ ہوں گی۔ چونکہ یہ عین میرے مطلب کی بات تھی لہٰذا میں نے جواب دیا کہ اگر تمہارا ایسا ہی خیال ہے تو مناسب ہے۔

(۱۰)

مرزا کیوان قدر بہادر

میرے محل کے بطن سے اسی زمانہ میں میرا فرزند سوم متولد ہوا (جو اس وقت منصب ولی عہدی پر فائز المرام ہے) میرے جد امجد حضرت فردوس منزل نے دیکھا تو بہت مسرور ہوئے اور مرزا کیوان قدر بہادر خطاب مرحمت فرمایا۔

(۱۱)

صاحب خانم سے عشق

اسی زمانے میں ایک گانے والی عورت مسمی صاحب خانم جو جناب قبلہ والد ماجد حضرت ثریا جاہ جنت مکان کے ہاں ملازم اور شادی شدہ تھی، اس عورت پر میری نظر پڑی۔ اس کی عمر کوئی بتیس یا کچھ زیادہ کی تھی۔ سرخ و سفید رنگ، پستہ قد، کشادہ دہن، چشم و ابرو جاذب توجہ، ہر وقت سر کے بال کھلے رہتے تھے جو اس کے شانوں پر پڑے رہتے تھے (یہ اس کی ایک ادائے خاص تھی)۔ بہت عمدہ گاتی بجاتی تھی، اور گنجفہ بھی خوب کھیلتی تھی۔ وہ دو یا تین لڑکیوں کی ماں تھی۔

صاحب خانم سے مجھے عشق ہو گیا اور ادھر وہ بھی میرے عشق میں مبتلا ہو گئی۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ میری صورت کو دیکھے بغیر کبھی رات کو سو نہ سکتی تھی۔ وہ ہمہ وقت میرے ہی پاس بیٹھی ہوئی تاش کھیلتی رہتی یا گانے بجانے وغیرہ میں وقت گزار دیتی۔ میری تازہ ترین غزلیں بڑے شوق سے گایا کرتی تھی۔ ان میں سے ایک غزل کا مطلع ہے:

پڑا ہے پاؤں میں اب سلسلہ محبت کا
برا ہمارا ہوا ہو بھلا محبت کا

میں روزانہ اسے روپیہ دو روپے دیا کرتا تھا جو کہ وہ دل سے قبول کرتی تھی۔ میرے لیے پان کے بیڑے بنایا کرتی تھی۔ اتفاق سے اگر میں کچھ دیر کے لیے اسے دکھائی نہ دیتا تو وہ بیتاب ہو جاتی اور ہر طرف میری تلاش میں دوڑی دوڑی پھرتی۔ میں کبھی باہر ہوتا تو دروازے کے روزن سے مجھے پہروں دیکھتی رہتی۔ کبھی کوٹھے پر چڑھ کر مجھ سے آنکھیں لڑایا کرتی تھی۔ مختصر یہ کہ مجھے دیکھے بغیر ایک لحظہ بھی وہ گزار نہ سکتی تھی۔

اگرچہ میرے محل کو میرے اور صاحب خانم کے باہمی عشق و محبت کی خبر تھی لیکن ہندی کی اس کہاوت کے بہ مصداق کچھ نہ کہہ سکتی تھیں:

دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پئے

اسی طرح وہ راضی بہ رضائے الٰہی ہو کر چکی تھیں۔ بعض وقت تو میری خوشنودی کے لیے صاحب خانم کی تواضع اور مدارت بھی کیا کرتیں۔

صاحب خانم میری محبت میں اس قدر دیوانی ہو گئی کہ ایک روز اس نے میرے ستار کی سندری کھول کر آگ میں گرم کی۔ جب وہ انگارہ سی سرخ ہو گئی تو اپنی بائیں ران کو داغ دیا۔ اس طرح ستار کی سندری اس کی ران کے گوشت میں دھنس گئی۔ اس کے بعد وہ زخم کو مرہم پٹی کر کے بائیں پاؤں سے لنگڑاتی ہوئی میرے پاس آئی۔ جب میں نے دیکھا کہ صاحب خانم لنگڑاتی ہوئی آ رہی ہے تو میں پریشان سا ہو گیا کہ یا خدا اس کو یہ کیا ہو گیا ہے۔ جب وہ میرے قریب آئی تو بڑے درد انگیز لہجہ میں کہنے لگی:

''افسوس مجھے آپ نے مرہم بھی عنایت نہ فرمایا۔''

میں نے کہا۔ "تمہیں مرہم کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

اس پر اس نے جواب دیا کہ "میں اپنی ران کے زخم پر لگانے کے لیے مانگ رہی ہوں۔ آپ اگر نامناسب نہ سمجھیں تو ذرا سا مرہم عنایت فرمائیں تاکہ میرا زخم مندمل ہو جائے۔"

میں نے تجسس اور تحیر کی نظر سے دیکھا تو واقعی اس کی بائیں ران میں گہرا زخم تھا' جس سے اس کی بات کا یقین ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد ہم دونوں کا ربطِ محبت لیلیٰ مجنوں کی طرح قائم ہو گیا۔ یہ سلسلہ ایک سال تک رہا۔

(۱۲)

مرتضیٰ بیگم کی ولادت اور وفات

جب میری عمر انیس برس کی ہوئی' میری زوجہ کے بطن سے پہلی لڑکی پیدا ہوئی' جس کا نام مرتضیٰ بیگم تجویز کیا گیا تھا لیکن خدا کی مرضی ہی ایسی تھی کہ وہ صرف چالیس دن جی کر رحلت کر گئی۔ انہیں دنوں کی بات ہے کہ جناب قبلہ والد صاحب حضرت ثریا جاہ نواب امجد علی شاہ تخت نشینِ سلطنت ہوئے۔ صاحب خانم سے میرے ربطِ محبت کا بھی یہی زمانہ تھا۔

جب میرے محل کو میرے اور صاحب خانم کے ربط و ضبط کی خبر ہوئی تو ایک دن مجھ سے پوچھا کہ آپ کا موجودہ شغلِ عشق آپ کے حسب مرضی ہوا یا نہیں؟ میں نے جواب دیا: "تمہیں دوسروں کے معاملات سے کیا تعلق؟ میری قسمت میں جو کچھ ہے وہی ہو گا' البتہ میں اس وقت تمہارا احسان مند ہوتا جب کہ تم کسی عورت کو میری ملاقات کے لیے منتخب کرتیں۔" میری بیوی بے حد عقل مند اور مزاج شناس عورت ہے۔ لہٰذا وہ فوراً اس نتیجہ پر پہنچ گئیں کہ اب میری اطاعت و رضا کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ چنانچہ انہوں نے فوراً دوسری عورتوں کو ملازمت کے لیے بلانا شروع کر دیا۔

(۱۳)

عمدہ بیگم سے عشق

میرے محل کے ہاں عمدہ بیگم نام کی ایک عورت آ کر ملازم ہوئی' یہ بڑی اچھی خاتون تھیں۔ ان کی عمر کوئی ۲۷ سال کی تھی۔ گورا رنگ' متناسب اعضا' تاش کھیلنے میں ماہر تھیں۔

اس سے قبل عمدہ بیگم نصیر الدین حیدر کے پاس آسامیوں کے زمرے اور ڈولی والیوں میں ملازم تھیں۔ پھر نصیر الدین حیدر کے انتقال کے بعد گردشِ تقدیر نے انہیں ملازمت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

جب میں نے عمدہ بیگم کو دیکھا وہ مجھے بے حد پسند آ گئیں۔ رفتہ رفتہ ان کی محبت نے میرے دل میں جگہ پیدا کر لی۔ انہوں نے بھی میری محبت کا جواب اپنے ناز و اغماض سے دینا شروع کیا۔ پوشیدہ طور پر ان کا عشق مجھ سے کئی گنا زیادہ تھا۔

صاحب خانم اور عمدہ بیگم جب ایک دوسرے کے حال سے واقف ہو گئیں تو دونوں میں رشک و حسد کے جذبات پیدا ہونے لگے اور رات دن ایک دوسرے پر چوٹیں کیا کرتیں۔ ان کی باہمی منافرت یہاں تک پہنچ گئی کہ مجھے لامحالہ صاحب خانم سے ترکِ تعلق کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ صاحب خانم سے میرے تعلقات اس لیے بھی مناسب نہ تھے کہ وہ حضرت جنت مکان کی ملازمان میں سے تھی۔ نیز وہ ایک شادی شدہ عورت تھی جس کا شوہر موجود تھا۔

(۱۴)

ننھی بیگم

اس وقت حضرت جنت مکان جناب والد صاحب قبلہ کے یہاں تین بہنیں ملازم

تھیں۔ بڑی کا نام حیدری بیگم' منجھلی کا نام محمدی بیگم اور چھوٹی کا نام ننھی بیگم تھا یہ تینوں بہنیں میر انشاء اللہ خاں کی نواسیاں تھیں اور جناب سید الشہد اصلوٰۃ اللہ علیہ کی ذاکرہ تھیں۔ ننھی بیگم کی شکل وصورت ہو بہو ایک عورت سے ملتی جلتی تھی جو پارہ والی سرفرازو کے نام سے مشہور تھی۔ سرفرازو ایک طوائف تھی جو کہ دیہات کی رہنے والی تھی اور پارہ کی ٹھیکیدار بھی تھی۔ میں نے اسے فردوس منزل حضرت محمد علی شاہ بادشاہ کے زمانہ حکمرانی میں اپنے برادر خورد مرزا اسکندر حشمت بہادر کی تقریب شادی میں دیکھا تھا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً سترہ اٹھارہ برس کی تھی اور میری عمر بھی قریب قریب اتنی ہی ہوگی۔ چونکہ اس زمانہ میں وہ موسیقی میں کافی شہرت رکھتی تھی اور میں بھی بچپن سے رقص وسرود سے کافی دلچسپی رکھتا تھا' اس واسطے میں اس کے کمندِ عشق کا اسیر ہو گیا لیکن نہ اس کے دل میں میری کوئی چاہ پیدا ہوئی اور نہ ہی میں اپنے بزرگوں کے ڈر سے اس کے نام کوئی پیغام بھیج سکا۔

مختصر یہ کہ جب حضرت جنت مکان کے ملازمین میں ننھی بیگم' پارہ والی سرفرازو کی ہم شبیہ معلوم ہوئی تو مجھے بڑی بھلی لگی' لیکن ننھی بیگم نے میری اس عنایت کی کوئی پرواہ نہ کی' میرے عشق کو اس نے بازیچۂ اطفال سمجھ کر کوئی اہمیت نہ دی۔

کبھی مجھے تنہائی کا ایسا موقع مل جاتا جہاں ننھی بیگم بھی موجود ہوتی تو میرے کچھ کہنے سے قبل ہی وہ وہاں سے رفو چکر ہو جاتی اور شرارت سے مجھے کہتی کہ میں دیر سے آپ کا انتظار کر رہی تھی' آپ فلاں وقت کہاں تھے۔ خیر چھوڑیئے یہ باتیں کسی اور موقع پر ہوں گی۔

عمدہ بیگم کی وجہ سے جب صاحب خانم کو علیٰحدہ کر دیا گیا تو وہ اپنی نافرمانی پر سخت شرمندہ ہوئی۔ دراصل اس سے چند ایسی حرکات سرزد ہوئی تھیں جو میری طبیعت کے عین خلاف تھیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ میں نے متعدد بار اس سے کہا کہ تیری دونوں لڑکیاں میرے پاس بڑی عمدگی سے رہیں گی' تو اپنے شوہر سے طلاق لے لے اور میرے محل میں آ جا لیکن اس بدبخت نے کوئی دھیان نہ دیا۔ جس کے نتیجہ کے طور پر میں نے اسے الگ کر دیا۔ اس کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار ہی مجھے نظر نہ آیا۔ اس طرح چند اور وجوہ بھی اس کے ترک

کرنے کا باعث ہوئے۔ وہ بدبخت عورت ابھی تک جیتی ہے اور میرے ہی ایک محل کی ملازموں میں ہے۔

صاحب خانم سے ترک تعلق کے بعد عمدہ بیگم سے مراسم محبت بہت زیادہ بڑھ گئے تھے لیکن چپکے چپکے میں ننھی بیگم کے تیرِ عشق کا بھی گھائل تھا۔ میں نے کوشش کی تھی کہ عمدہ بیگم کا عشق ننھی بیگم پر ظاہر نہ ہو اور ننھی بیگم جو میری مرکزِ توجہ بن رہی تھی اس کی اطلاع عمدہ بیگم کو نہ ہونے پائے لیکن رموز و کنایات کے بروئے کار آنے کی وجہ سے یہ دونوں ایک دوسرے کو خوب پہچان گئیں۔ ساتھ ہی یہاں بھی وہی صورت پیش آئی جو صاحب خانم اور عمدہ بیگم کی باہمی رقابت سے پیدا ہوئی تھی لیکن عمدہ بیگم اس بے پناہ محبت کی وجہ سے زیادہ گڑ بڑ نہ کرسکیں' جو ان کے ساتھ مجھے تھی۔ اگرچہ اس دوران میں انہوں نے دو تین مرتبہ اسی جذبۂ رقابت کی بنا پر ملازمت ترک کرنے کا بھی ارادہ ظاہر کیا مگر میرے محل نے ان کی درخواست منظور کی نہ انہیں گھر جانے کی اجازت دی۔





دوسرا باب

(۱۵)

تخت نشینی حضرت جنت مکان

جنابِ والدِ ماجد حضرت جنت مکان امجد علی شاہ بادشاہ نے آبائی تختِ سلطنت پر جلوسِ اجلال فرمایا۔ میں خدا کے فضل و کرم سے منصبِ ولی عہدی سے سرفراز ہوا۔ اس کے بعد سے مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ عمدہ بیگم صاحبہ کو محل بنایا جائے۔ عمدہ بیگم نے فرمانبرداری اور میری خدمت گزاری سے میرے دل میں جگہ پیدا کر لی تھی اور ان سے مجھے اس درجہ محبت ہوگئی تھی کہ سوائے ایک پہر سونے اور جنابِ والد صاحب کی خدمت میں سلام کو حاضر ہونے کے میں ایک لمحہ کے لیے بھی ان کو دور نہ ہونے دیتا تھا۔ ہم دونوں کا عشق لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کی طرح کا تھا۔

جب اس عالم میں ننھی بیگم نے مجھے دیکھا تو خدا جانے کس وجہ سے مجھ سے مخاطب ہوئیں۔ اس وقت ان کی یہی تمنا تھی کہ میں کسی نہ کسی طرح انہیں بھی محل بنالوں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لالچی تھیں۔ ممکن ہے یہ خیال کیا ہو کہ ایسی دولت مند سرکار ہاتھ سے مفت کیوں جائے۔

ننھی بیگم صاحب عفت و پارسا عورت تھی، اس کے ساتھ ہی مرثیہ خواں اور ساتویں امام کی اولاد میں میر انشاء اللہ خاں کی نواسی تھی۔ اس کا رنگ گورا تھا۔ قد موزوں، بھویں باریک اور آنکھیں چھوٹی سی تھیں۔ اس کے پہلے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ تین سال کی ایک لڑکی بھی تھی، جس کا نام احمدی تھا۔

ننھی بیگم بیوہ ہونے کے بعد میری والدہ صاحبہ کے پاس مرثیہ خوانوں میں ملازم ہوئی۔ آخرِ کار مجھ سے اپنی محبت جتانے لگی اور اس بات کی آرزو مند ہوئی کہ اس کا مرتبہ بھی عمدہ بیگم کے مرتبہ کو پہنچے۔ مگر عمدہ بیگم کا ستارۂ اقبال چرخ چہارم پر جلوہ افروز تھا۔ لہٰذا ننھی بیگم کا جادو گر کار گر نہ ہو سکا۔

عمدہ بیگم سے افزونی محبت کا یہ نتیجہ ہوا کہ خاص محل کے دل میں بھی رقابت کی آگ بھڑکنے لگی اور زمین و آسمان ان کی نظروں میں اندھیر ہو گئے لیکن ہندی زبان کی اس مثل کے مطابق "دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر عقل مندوں کا کام نہیں"۔ وہ کچھ نہ کر سکیں۔

ادھر جواہرات اور پشمینہ سے بھری ہوئی کشتیاں' چاندی کے ظروف اور دیگر قیمتی اشیاء عمدہ بیگم صاحب کے واسطے تیار کئے جانے لگے۔ پھر میری ولی عہدی کے بعد عمدہ بیگم صاحبہ میری محل ہو گئیں اور خورد محل نواب عمدہ بیگم صاحب کے خطاب سے ممتاز ہوئیں۔ ڈیڑھ ماہ تک نواب خورد محل کا ستارۂ تقدیر مہر جہاں تاب کی طرح سپہرِ اقبال پر روشن رہا' اس کے بعد یہ کہاوت صحیح ثابت ہوئی کہ "چار دن کی چاندنی' پھر اندھیری رات ہے"...... ننھی بیگم' جو خورد محل نواب عمدہ بیگم صاحبہ کی طرف سے اپنے دل میں بغض رکھتی تھی' چاہتی تھی کہ میں کسی طرح نواب عمدہ بیگم کے دامِ محبت سے چھوٹ کر اسے اپنا محل بنا لوں۔ بالآخر میں اس کے مکر کے جادو سے محفوظ نہ رہ سکا' اس نے میرا محل بننے کی خواہش میں مختلف حربے استعمال کیے اور مجھے آمادہ کر لیا۔

ایک دن چھتر والے مکان (جو بعد کو چھتر منزل کے نام سے موسوم ہوا) واقع کنارۂ دریائے گومتی کے دریا کی طرف والے برج پر وہ چڑھ گئی' اور اس کے بعد وہ اپنے کو دریا میں گرا دینا چاہتی تھی لیکن میں نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ ایسی حرکت عین جہالت و بد دماغی کے سوا کچھ نہیں' یہ نہایت نازیبا حرکت ہے۔ اس سے سوائے اقربا میں رسوائی اور دنیا بھر میں بدنامی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس طرح میں نے اس کو اس خطرناک ارادے سے باز رکھا۔ اسی دوران میں اس کی لڑکی کا انتقال بھی ہو گیا۔

غرضیکہ خورد محل نواب عمدہ بیگم صاحبہ کے محل ہونے کے ڈیڑھ ماہ بعد ننھی بیگم کو بھی میں نے محل بنالیا۔ نشاط محل نواب ننھی بیگم صاحبہ کا انہیں خطاب دیا اور تھوڑے سے زر و جواہر اور کچھ ملبوسات دے کر انہیں اعزاز بخشا۔ صرف پندرہ روز تک مشکل سے ان کی قسمت کا ستارہ چمکا۔

(۱۶)

نگار محل

برسات کا موسم تھا۔ ایک روز آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی' ہوا کے مسرت آگیں جھونکے روح میں تازگی پیدا کرتے ہوئے دماغ و دل کو غنچۂ شگفتہ کی طرح کھلا رہے تھے' طائرانِ نغمہ فروش گلستاں کی شاخ شاخ پر بیٹھے ہوئے محوِ زمزمہ پردازی تھے' جن کی پرکشش آواز دل پر عجیب تاثر چھوڑ رہی تھی۔ زرنگار طاؤس ہر طرف رقص میں مصروف تھے' ابر پارے باغ کی روشوں پر پانی چھڑکتے ہوئے گزر جاتے تھے' محفلِ عیش و طرب بجی ہوئی تھی' میری متوسل جتنی عورتیں تھیں سب کی سب مجھے اپنے حلقہ میں لیے بیٹھی تھیں' ناچ گانے کا ایک قیامت خیز ہنگامہ برپا تھا' مورچھل بردار مرصع مور چھل میرے اوپر جھل رہے تھے..... ہر شخص پر جوش و سرمستی کا ایک عجیب عالم طاری تھا۔ بقول شاعر:

بہشت آں جا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

یکا یک اس محفلِ نشاط میں میرے برادر خورد جرنیل صاحب مرزا اسکندر حشمت بہادر وارد ہو کر ناچ گانے میں شریک ہوئے۔ کچھ دیر بعد مجھ سے کہا کہ "میں نے مجرے کے لیے ایک عورت کو طلب کیا ہے' جو حد درجہ حسین ہونے کے علاوہ گانے میں بھی بے مثل ہے۔" میں نے بے چینی سے کہا: "اگر تم اس کو میرے ملاحظہ پیش کرتے تو بہت مناسب

تھا۔" جب انہوں نے دیکھا کہ اس ان دیکھی عورت کے لیے میں بے تاب ہو رہا ہوں تو یہ کہہ کر اسے بلانے سے انکار کر دیا کہ وہ میرے سامنے بہت دیر تک ناچتی گاتی رہی ہے' جس کی وجہ سے تھک کر چور ہو گئی ہے۔ آپ اطمینان رکھیے کسی اور موقع پر اسے آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا۔

چونکہ میرے اختیارات باقی نہ رہے تھے' اس لیے اپنے دل پر جبر کر کے خاموش ہو رہا لیکن اس عورت کی ایک دن کی جدائی ایک برس معلوم ہونے لگی۔

دوسرے دن صبح کو جب پھر وہی بزمِ نشاط آراستہ ہوئی تو میرے چھوٹے بھائی جرنیل صاحب مرزا سکندر حشمت بہادر چلے آئے۔ ان کے ساتھ ایک عورت تھی جس کا رنگ کندن کی مثال دمک رہا تھا۔ عجیب ناز و انداز کے ساتھ دلوں کو کچلتی ہوئی قدم اٹھا رہی تھی۔ اودے اطلس کا پاجامہ اور اس پر سرخ رنگ کی سالہ کی پشواز پہنے ہوئے تھی۔ اپنے سازندوں کے ساتھ ہنسی مذاق کی باتیں کرتی اور ایک ادائے خاص سے مسکراتی' اٹھکھیلیاں کرتی چلی آ رہی تھی۔ اس کی عمر اٹھارہ برس کی یا اس سے کچھ ہی زیادہ ہوگی۔ اس کا نام وزیرن تھا' بی جان نامی طوائف کی بیٹی تھی۔ قصاب والے پل پر اس کا مکان تھا۔

جیسے ہی اس سے میری آنکھیں چار ہوئیں' عشق کا ایک تیر میرے دل کے پار ہو گیا۔ اس خیال سے کہ یہ ایک ہم چشموں کا جلسہ ہے' اس لیے اپنی زبان سے کچھ کہہ نہ سکا۔ دونوں ہاتھوں سے اپنا دل تھامے اور چپکے چپکے کراہ کے رہ گیا۔ مجھ پر بے خودی کا وہ عالم تھا کہ ممکن تھا کہ میں فرطِ شوق میں داستانِ محبت چھیڑ بیٹھتا لیکن شرم دامن گیر ہوئی۔ میں کچھ اس قسم کی دلی کیفیات میں ڈوبا ہوا تھا کہ وزیرن نے اپنا ناچ اور گانا شروع کر دیا۔

حسن کیا کم تھا جو آئینہ کی کھولی قلعی
ایک حیرانی زیادہ ہوئی حیرانوں پر

وہ تو ادھر سرگرم رقص تھی ادھر میری آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا ہوا تھا۔ آخر مجھ میں ضبط کی طاقت نہ رہی اور میں نے اسی بے خودی کے عالم میں محفل برخواست

کرنے کا حکم دے دیا۔

دوسرے دن اسی طرح اس پری تمثال نے بزم میں آ کر اپنے عشوہ و ناز کا مظاہرہ کیا اور مجھ فرقت نصیب کو اپنے تیر ادا سے ایسا گھائل کیا کہ مجھ میں طاقت نہ رہی اور میرے لیے سونا اور کھانا پینا تک حرام ہو گیا۔ اس کی نازک مژگاں نے میرے دل کو یوں دو ٹکڑے کر دیا کہ وہ مرغ بسمل کی صورت تڑپنے لگا۔

اسی زمانہ کی بات ہے کہ نجم النساء بیگم مرحوم میرے محل میں عہدۂ داروغگی پر مامور تھی۔ یہ خاتون نواب خاص محل کی رشتہ کی چچی اور میرے چچا خسر علی نقی ابن محمد علی خاں ابن مدار الدولہ بہادر کی نسبتی بہن تھیں۔ چالیس پینتالیس سال کے سن کی عورت تھیں۔ بااخلاق اور سمجھدار اور دوست نواز واقع ہوئی تھیں۔ سبحان اللہ مرتے دم تک پروانے کی طرح مجھ پر اپنی جان چھڑکتی رہیں۔ میرے مزاج سے اس قدر واقف ہو گئی تھیں کہ میں اپنے منہ سے ابھی بات نکالنے بھی نہ پاتا کہ وہ فوراً تعمیل کر دیتیں۔ میرا روپیہ پیسہ سب انہیں کے پاس ہوتا تھا جس کی وہ اپنی جان کے برابر حفاظت کرتی تھیں۔ وہ اپنے آرام کا اتنا خیال نہ رکھتیں جتنا میری خوشنودی کا' حد درجہ خوش مزاج اور طرحدار و خوش پوشاک عورت تھیں۔ ذرا سے پرتکلف لباس میں وہ پری معلوم ہوتی تھیں۔ ان کا رنگ گندمی تھا جس میں کچھ کچھ سرخی نمایاں تھی اور رخسار پر سیاہ تل تھا۔ قامت موزوں اور اعضائے جسم عمر کے لحاظ سے مناسب تھے۔ بڑی ہوشیار اور عقل مند تھیں۔

ان کے خاندان میں ان کا پرانا نام پیارے صاحب تھا۔ وہ جب میرے محل میں عہدۂ داروغگی پر فائز ہوئیں تو داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ کے خطاب سے سرفراز ہوئیں۔ رات دن میرے اطراف ہالے کی طرح رہتیں۔ جو بات میرے دل میں ہوتی' وہ میری آنکھوں کے تیور سے سمجھ جاتی تھیں۔ داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ نے اٹھارہ مورچھل بردار ایسی عورتوں کو نوکر رکھوایا تھا کہ شوخی و طراری' ناز و انداز میں ہر ایک عورت الگ الگ خصوصیت کی حامل تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک یگانۂ روزگار تھی تو بے جا نہ ہوگا۔ مختصر یہ کہ

نجم النساء بیگم صاحبہ نے جب دیکھا کہ میری جان خطرے میں ہے اور مجھ میں صبر وضبط کی مطلق تاب نہیں ہے تو محبت کے جوش میں ایک دن میرے قدموں پر گر گئیں اور یوں گویا ہوئیں: "اے میرے جانِ عالم! میری جان آپ پر تصدق' آخر ایسی کون سی بات ہے' جس کے باعث آپ کو اپنی جان کی پروا تک نہیں ہے' کیا وجہ ہے کہ بندگانِ اقدس کا چراغ راحت ہوائے غم کے جھونکوں سے گل سا ہو گیا ہے؟ اللہ کی قسم ہے اگر رات کا دن اور دن کی رات یا ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے' تو بھی آپ کی یہ لونڈی آپ کی اطاعت سے کوتاہی نہ برتے گی۔"

اسی زمانے میں میر محمد مہدی داروغہ کے عہدے پر میرے ہاں ملازم ہوا تھا۔ میر محمد مہدی امین الدولہ امداد حسین خاں کے متوسلین میں سے تھا اور امین الدولہ نواب امداد حسین خاں میرے والدِ ماجد حضرت جنت مکان کے زمانۂ حکومت میں وزارت و مدار المہامی کے عہدے پر ممتاز تھے نیز وہ میرے استاد بھی رہے تھے۔ میں نے ان سے میزان اور شرح اسباب پڑھا تھا۔

میر محمد مہدی سید زادہ تھا۔ میرے والدِ ماجد حضرت جنت مکان کے زمانہ میں ایک تمن کا تمن دار اور پندرہ روپے مشاہرہ پاتا تھا۔ یہ ایک پاک باطن اور نیک دل انسان تھا' ساتھ ہی اس میں غرور و نخوت بھی موجود تھی' جس کی وجہ سے وہ اپنے عہدے سے ہٹا دیا گیا' ورنہ وہ ہرگز معزول نہ کیا جاتا۔ اس کی عمر بتیس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔ قد مناسب' سفید رنگ' وہ پڑھا لکھا آدمی بھی تھا۔

امین الدولہ امداد حسین خاں نے میر محمد مہدی کو ازراہِ دوستی میری سرکار میں داروغہ کے عہدے پر رکھوایا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں امین الدولہ امداد حسین خاں کا طوطی بولتا تھا۔ غرض مند لوگ ہر وقت انہیں گھیرے رہتے تھے لیکن میر محمد مہدی داروغہ سے میرا دل کسی طرح بھی مربوط نہ ہو سکا۔ یہی وجہ تھی کہ اور لوگ اس شخص کے کاروبار میں دخل اندازی کرتے تھے۔ اس کی عین خواہش تھی کہ میں کسی طرح بے تکلفی بڑھا کر شیر و شکر ہو جاؤں۔

لہٰذا اس نے موجودہ واقعہ کو مناسب ذریعہ بنایا اور چاہا کہ اس کام میں وہ میرا مددگار بنے۔ چنانچہ ایک روز بڑی منت سے کہنے لگا: ''اے جانِ عالم! کیا وجہ ہے کہ حضور کے دشمن کئی روز سے غمگین و مضطرب' منہ کو ڈھانپے ہوئے پڑے رہتے ہیں اور رقص و موسیقی کی محفلیں بھی بالکل ختم کردی گئی ہیں۔''

انہیں دنوں دو گانے والی عورتیں میری ملازمت سے سرفراز ہوئیں۔ ایک کا نام امن تھا اور دوسری کا نام امامن۔ یہ عورتیں میری سرکار میں ملازم ہونے سے قبل رئیس فرخ آباد کے ہاں اپنے پیشہ کے طفیل میں بڑا اعزاز حاصل کر چکی تھیں۔ خدا معلوم کیونکر وہاں سے نکل کر میری سرکار میں سرفراز ہوئیں۔ انہیں سرورِ محفل والیاں خطاب دیا گیا۔ یہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ ماں کا نام بجو' باپ کا نام نتھو تھا۔ بھائی کا نام غلام رضا' نسبتی بھائی کا نام گبھن تھا۔ چچا کا نام غلام نبی' ماموں کا غلام حیدر تھا۔

مذکورہ لوگوں کا ذکر موقع آنے پر کیا جائے گا۔ فی الحال ناظرین کی معلومات کے لیے ان کے صرف نام بتا دینا کافی ہے۔

امن اور امامن صدقِ دل سے میرے ساتھ محبت رکھتی تھیں۔ ہمیشہ داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ کے ساتھ مل کر سچے دل سے میری خدمت گزاری کرتیں۔ میں نے امن اور امامن کو بہن بنا لیا تھا۔ ان لوگوں نے بھی حسنِ سلیقہ اور جذبہ' خدمت سے میرے دل میں ایسی جگہ پیدا کرلی کہ میں ان تینوں عورتوں (امن' امامن اور داروغہ نجم النساء بیگم) کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر ساعت اپنے اس پوشیدہ راز یعنی عشقِ وزیرن کے تردد میں رہتا تھا۔ جس وقت اس گلستانِ حسن کے گلِ نودمیدہ کے عشق کی آگ میرے دل میں سلگ اٹھتی تو میری یہی ہمدم و ہمراز عورتیں محبت بھرے گیت اور عاشقانہ غزلیں گا کر دل کی آگ کو ٹھنڈا کرتی تھیں۔ اسی زمانے سے میں نے ٹھمریاں موزوں کرنے کی مشق شروع کی۔ انہیں میں سے ایک ٹھمری کے یہ بول ہیں:

سن او گوئیاں سیاں رہے دا ہو دیس

رفتہ رفتہ ان تینوں عورتوں نے اپنی حد درجہ رفاقت کو کام میں لا کر میرے در پردہ عشق کا حال معلوم کر لیا۔ ادھر باہر دربار میں داروغہ میر محمد مہدی مختلف طریقوں سے دریافتِ حال کرتا تھا۔

ایک دن داروغہ نجم النساء بیگم مرحومہ کسی بہانے بی جان کے گھر گئیں۔ انجان طور پر وزیرن کے دلی جذبات کا جائزہ لینا شروع کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ وزیرن بھی میرے عشق میں بری طرح مبتلا ہے۔ اس کے پاؤں میرے عشق کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں' جس کے باعث وہ سرد سرد آہیں بھرتی ہے۔ جب داروغہ نجم النساء بیگم وہاں پہنچیں تو اس نے نہایت اضطراب کے عالم میں' مگر چپکے چپکے اپنے دل کا حال اور قصہء وارداتِ عشق سنایا۔ داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ مرحومہ کی نظر جب وزیرن کی ماں پر پڑی تو وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح ان کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا موقع ہی نہیں دیتی کہ وزیرن سے کوئی بات ہو۔ انجامِ کار داروغہ نجم النساء بیگم منہ لٹکائے واپس آئیں۔

میں ادھر بے بس' چھپے ہوئے صدموں اور رنج و ملال سے بسترِ غم پر پڑا ہوا تھا اور بار بار میرے دل سے جاں سوز آہیں نکلتی تھیں۔ اس لیے کہ اس سرچشمہء عشق کی یاد میں میرا دل ماہی بے آب ہو رہا تھا۔

میرا یہ حال دیکھ کر داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ مرحومہ اور امن اور امامن مجھ فرقت نصیب و سوختہ جاں کے پاؤں پر گر گئیں اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگیں کہ حضور کو یوں آہ و زاری سے کام نہ لینا چاہیے۔ کیا آپ نے یہ شعر نہیں سنا:

مشکلے نیست کہ آساں نشود
مرد باید کہ ہراساں نشود

خدا کی مرضی ہوئی تو حضور کی پری چہرہ معشوقہ وزہرہ جمال، بتِ طناز کو لا کر حضور کے آغوش میں بٹھا دیں گے لیکن تھوڑے دنوں کی مہلت چاہیے۔ اس وقت تک حضور کو صبر و ضبط سے کام لینا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وزیرن کی ماں حضور کے والد ماجد کی خدمت میں

حاضر ہو کر فریادی ہو اور بنے بنائے کام میں خلل پڑ جائے۔

میں غم کا مارا اس مکان میں، جس کا نام خاص مکان ہے، بستر پر منہ ڈھانپے پڑا رہتا تھا اور دن رات اس کی محبت کے ستم سہہ سہہ کر کمزور و ناتواں ہو رہا تھا۔ جب طبیعت بہت ہی گھبرا جاتی تو ستار بجانے لگتا اور کبھی پر سوز غزلیں گا گا کر دلِ بے تاب کو سمجھانے کی سعی کرتا۔ کھانا پینا تو بالکل ہی حرام ہو گیا تھا۔

ایک آدمی مسمی غلام علی میرا پرانا مصاحب اور رفیق تھا جو اب بھر مار پلٹن میں کیدانی کے عہدے پر فائز ہے، اس کا خطاب بہاؤ الدولہ ہے۔ دوسرا آدمی میرا اکبر علی ہے۔ یہ آدمی بھی میرا پرانا مصاحب ہے، آج کل دیوان خانہ سلطانی کا پیشکار اور اس کا اکبر الدولہ خطاب ہے، تیسرا شخص میر محمد مہدی داروغہ حال جو فی الحال اپنی خدمت سے سبک دوش کر دیا گیا ہے۔ امیر الدولہ کے خطاب سے ممتاز ہے۔

ان تینوں کی خواہش ہوئی کہ کوئی ایسا موقع نکلے کہ وہ معشوقۂ طناز جلد از جلد مجھے ملے۔ اس کی ماں چونکہ بڑی گھاگ عورت تھی اس لیے ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ ایک روز داروغہ نجم النساء بیگم پھر وزیرن کے گھر گئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ چارپائی پر لیٹی ہوئی ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ نجم النساء نے کوشش کی کہ اشاروں کنایوں سے اسے الگ لے جا کر میری طرف سے محبت کا پیغام اس کے گوش گزار کریں۔ اچانک اس کی سنگ دل ماں شور کرنے لگی اور کہنے لگی "داروغہ سرکاری کا رنڈیوں کے مکان پر کیا کام ہے۔ ہم لوگوں کو تم سے کوئی علاقہ نہیں۔ ہمارے ہاں ہرگز نہ آیا کریں۔ ورنہ درِ دولت پر حاضر ہو کر میں فریاد کروں گی۔" یہ سن کر داروغہ نجم النساء بیگم گھبرائیں اور بہ عجلتِ ممکنہ اس کے مکان سے نکل گئیں اور نا امیدی کے عالم میں میرے پاس آئیں۔ جب میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے سے تکدر نمایاں ہے اور لہجہ میں درشتی اور سر سے پیر تک کانپ رہی ہیں تو اس کی وجہ دریافت کی۔ پھر انہوں نے اس کی ماں کے شور مچانے اور طرزِ گفتگو کا ماجرا سنایا۔ یہ واقعہ سننے کے بعد مجھے بہت غصہ آیا۔ فوراً میر محمد مہدی کو (جو امین الدولہ کے متوسل تھے) طلب

کیا اور کہا کہ "جب تک میری محبوبہ نہیں آئے گی' مجھ پر کھانا پینا اور سونا حرام ہے۔ یہ بھی امکان ہے کہ میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔ اس وقت تم میرے حال پر افسوس کرو گے۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ جیسے بھی ہو جان پر کھیل کر اسے میرے پاس لاؤ۔"

تھوڑی دیر تک وہ سوچ میں پڑ گئے' اس کے بعد عرض کیا کہ "اس کا لایا جانا تو کوئی مشکل کام نہیں لیکن حضرت جنت مکان سے اس راز کو کب تک پوشیدہ رکھا جا سکتا ہے؟"

اس دوران میں اس کی جدائی میں ایک مہینہ گزر گیا لیکن مراد بر آنے کی کوئی صورت نہ پیدا ہوئی۔ میں نے اس معاملہ کے سلسلہ میں امین الدولہ کے پاس بھی کچھ پیغامات ارسال کیے اور کچھ عورتوں کو' جو میرے والد ماجد کی ملازم تھیں مثلاً مصاحب السلطان اور انتظام السلطان جو اس زمانہ میں حضرت جنت مکان کے محل میں داروغہ کی خدمات پر فائز تھیں' اس کام میں لگایا لیکن کوئی تدبیر فائدہ مند نہ ہوئی اور میں اسی طرح رنج و آلام کا شکار رہا۔

ایک دن میں اپنے مکان بادشاہ منزل کی چھت پر ایک طپنچہ لے کر چڑھ گیا اور اندر سے اس کے دروازے بند کر لیے اور چاہتا تھا کہ طپنچہ کی گولی سے اپنے کو ہلاک کروں۔ اتنے میں داروغہ نجم النساء بیگم آ کر دروازے سے اپنا سر مارنے لگیں اور ساتھ ہی کہنے لگیں' "اے جانِ عالم! میں آپ کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دیتی ہوں' میری ایک بات سنیے۔" میں نے اندر سے جواب دیا "کیا بات کہنا چاہتی ہو کہو۔" پھر انہوں نے کہا کہ "اگر اب کی دفعہ میں اس کو نہ لا سکی تو آپ کا دل جو چاہے کیجیے۔ اب جبکہ آپ کا مدعا پورا ہو رہا ہے' ایسی حالت میں خود کو ہلاک کرنا کہاں کی دانائی ہے؟"

میں نے ان کی بات مان لی اور اپنے ارادے سے باز رہا۔ پھر اسی لمحے شیخ غلام علی تیز رفتار گھوڑے پر بیٹھ کر وزیرن کے گھر گیا۔ میں نے ادھر اپنے مکان کو مکلف و آراستہ کیا۔ نہر کے بیچوں بیچ' جس کے اطراف فوارے چھوٹے ہوئے تھے' بیچ بچھوائی۔ میر محمد مہدی کے علاوہ اس وقت وہاں اور کوئی موجود نہ تھا۔ میں بہ مصداق اس شعر کے

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد!

فرطِ مسرت میں بے چینی سے میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ اسی طرح پہر رات گزر گئی۔ دفعتاً دیکھا' اس ماہ وش کی تجلی جمال سے سارا مکان روشن ہے۔ میں نے بے خودی میں دوڑ کر اسے گود میں اٹھا لیا۔

رات بھر اس کی شمع حسن پر پروانے کی طرح قربان ہوتا رہا اور تمام رات باہمی شکوہ و شکایات اور راز و نیاز میں گزری۔

جب صبح نمودار ہوئی' صدائے نوبت و آواز مرغ و اللہ اکبر کا غلغلہ بیدار ہوا' جس کے باعث میرا طائرِ روح عین ہنگامِ وصال گویا ذبح ہو گیا..... اس وقت یکا یک دروازے کے پیچھے سے میر محمد مہدی نے کہا "رات کا اندھیرا چھٹ گیا' اب صبح کا اجالا ہر طرف پھیل رہا ہے' مناسب یہی ہے کہ اب حضور رخصت فرماویں۔" میر صاحب کی اس آگاہی سے میرے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور صبر کی طاقت بھی جواب دینے لگی۔ اسی عالم میں اٹھ کر میں نے اسے خدا حافظ کہا۔

برابر ایک ماہ تک ایسا ہی کچھ سلسلہ جاری رہا۔ ایک دن میں نے اس جانِ خوبی کو روک لیا اور امین الدولہ کو اس مخلصانہ خدمت کے صلہ میں لبادہ و مندیل کے ساتھ پانچ پارچہ کا خلعت عنایت کیا۔

اس بتِ طناز کا ایک اور قصہ سنیے۔

ایک روز وہ اپنے مکان میں تھی' جو کہ قصائی والے پل پر تھا اور جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ اس کو بڑا تیز بخار چڑھا ہوا تھا۔ بخار کی شدت سے اس کی آنکھیں مندی ہوئی سی تھیں۔ ادھر میرا یہ حال تھا کہ اندر ہی اندر اس کی یاد میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ جیسے ہی میں نے اس کا خیال کیا خدا کی قسم کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بخار کی اسی شدت میں میرے پاس آ گئی۔ اس وقت وہ سفید چادر اوڑھے ہوئے اور ننگے پاؤں تھی اور اسی حالت میں ایک کوس کا فاصلہ

طے کر کے میرے پاس آئی تھی۔

میں نے پوچھا ''تمہیں اس حالت میں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟'' اس نے کہا۔ ''غالباً اس وقت آپ نے مجھے دل سے یاد کیا تھا۔'' اتنا کہہ کر وہ بیہوش ہو گئی۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایسے واقعات پرانے قصوں میں پائے جاتے ہیں لیکن میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

جس روز وہ جانِ جاں آ کر میرے گھر بیٹھ گئی جشنِ مسرت منایا گیا۔ مطربانِ خوش آواز و پری جمال مغنیوں نے اس محفل کو رشکِ فردوس بنا دیا۔ ہر طرف سے مبارکباد کی آواز آتی تھی اور نوبت و نقارہ کی صدائے دلپذیر فضا میں گونجتی تھی۔ میں نے اس خوشی میں حضرت مشکل کشا کا دستر خوان کیا۔ ملازموں نے نذریں پیش کیں اور میں نے ہر ایک کو اس کے رتبہ کے مطابق سرفراز کیا۔ خاص کر داروغہ نجم النساء بیگم' امن و امامن اس شمع جمال پر پروانہ وار نثار ہو رہی تھیں۔ اس کی ماں امین الدولہ کی ایما سے قید کی گئی۔ دو تین ماہ بعد میری سفارش سے رہا ہوئی اور اس کی بیٹی کی جانب سے دو ہزار نقد مع خلعت و دوشالہ ورومال عطا کیا گیا۔ میں نے ہر طرح چاہا کہ وہ اپنی بیٹی کے پاس ہی رہے لیکن اس نے اپنے ناجائز پیشے کو چھوڑ کر بیٹی کے پاس رہنا گوارا نہ کیا' جس کی وجہ سے میری جانِ تمنا وزیرن اپنی ماں سے سخت ناراض رہی۔

نفیس سے نفیس جواہرات' سونے چاندی کے بیش قیمت برتن اور اچھے اور فرمانبردار ملازم انہیں دیے گئے اور ایک اعلیٰ خطاب سے وہ سرفراز کی گئیں۔ آخری خطاب ان کا ملکۂ عالم نواب نگار محل صاحب ہے۔

ایک سال تک ان کا ستارۂ اقبال جگمگاتا رہا۔ اس کے بعد چند خاص وجوہات کی بنا پر ماند پڑ گیا۔ ان کے مزاج میں اس قدر تلون آ گیا تھا کہ رات کی کہی ہوئی بات صبح کو فراموش کر جاتی تھیں۔ میں نہ چاہتا تھا کہ وہ میرے دوسرے محلات سے میل جول پیدا کریں لیکن انہوں نے کوئی پروانہ کی اور سب سے ربط دوستی بڑھاتی رہیں۔ ان کے اس عمل

نے مجھے بڑا دکھ پہنچایا۔ ذرا سوچنے کی بات ہے میری یہ خواہش کہ نواب نگار محل کا کوئی اور ہمسر نہ ہو لیکن ان کی یہ حالت کہ وہ اپنے پرائے، دوست دشمن میں تمیز نہ کریں۔ میری دلجوئی کا بھی انہوں نے کوئی خیال نہ کیا۔ دوسرے محلات میں نواب خورد محل عمدہ بیگم صاحبہ، نواب نشاط محل ننھی بیگم صاحبہ سے میری مرضی کے خلاف دوستی پیدا کی۔ حالانکہ میں چاہتا تھا کہ نواب نگار محل ان دونوں محلوں سے ممتاز رہیں۔ یہ جب ان میں گھل مل گئیں تو فوقیت و فضیلت کہاں رہی؟ اس کے علاوہ کچھ اور وجوہات بھی پیدا ہوئیں۔ بے پروائی سے کام لینا، کھانے پر انتظار نہ کرنا، عشق و محبت کو بازیچۂ اطفال سمجھنا اور اسی طرح کے بے شمار واقعات ہیں جس کی وجہ سے یہ ناگوار صورتِ حال پیدا ہوئی۔

(۱۷)

حضور والیاں

اس مہ جمال کا تذکرہ ختم ہوا۔ اب دوسرا شروع کرتا ہوں۔ جب اس محبوبۂ طناز نے میرے ساتھ ناانصافی کا برتاؤ کیا تو اس کی طرف سے میرا دل پھر گیا اور دشمنوں کو ان کی کوششوں میں کامیابی نصیب ہوئی۔

اس وقت میری عمر ۲۲ سال کی تھی۔ اسی زمانہ میں اٹھارہ نفر آسامیاں مورچھل بردار داروغۂ نجم النساء بیگم کے توسط سے ملازم رکھی گئیں۔ وہ اپنی خدمت و فرائض کی انجام دہی میں سب پر سبقت لے گئیں۔ لہٰذا انہیں ''حضور والیاں'' کا خطاب بخشا گیا۔ میں دو سال تک مختلف مکر و فریب سے کام لے کر ہر ایک سے محبت کرتا رہا لیکن یہ عورتیں بڑی بد اطوار واقع ہوئی تھیں۔ آٹھ دن یہاں رہ کر جو کما لیتی تھیں آٹھ دن میں اپنے گھر پر غیروں پر خرچ کر دیتی تھیں اور کمال یہ کہ میری محبت کا دم بھرتی تھیں اور میری ہمدم و دمساز بنتی تھیں۔

اسی زمانہ میں بشیر اور فیروز نام کے دو خواجہ سرا حضور جنت مکان نے مجھے مرحمت فرمائے تھے۔ میں نے فیروز کو نعمت خانہ کا داروغہ بنا دیا اور بشیر کو عہدۂ نظارت پر مامور کیا۔ یہ

دونوں خواجہ سرا حبشی قوم سے تھے۔ بشیر کی عمر پچاس اور فیروز کی عمر چالیس برس کی تھی۔ ان دونوں غلاموں میں جانبازی کے جوہر موجود تھے۔ اس کے علاوہ بشیر میں جذباتِ رشک تھے' مگر یہ آدمی جہاں دیدہ اور ذی عقل تھا اور اس کے مزاج میں تحمل تھا اور فیروز کے مزاج میں غصہ تھا اور وہ جاہل بھی تھا۔

جب دونوں اپنے اپنے عہدوں پر ممتاز ہو گئے تو بشیر نے یہ کوشش شروع کر دی کہ اطاعت و خدمت میں داروغہ میر محمد مہدی کا مدِ مقابل ہو جائے لیکن میر محمد مہدی کے سامنے اس کا جادو نہ چل سکا' جس کی وجہ سے اس کی ہوس کو آسودگی نہ مل سکی۔ اس کے علاوہ داروغہ نجم النساء بیگم سے بھی وہ کچھ عداوت رکھتا تھا۔

رفتہ رفتہ اس کی مراد پوری ہوئی۔ وہ یوں کہ میں ایک ماہ پیکر کی محبت میں گرفتار ہوا' اور اس نے مشاطہ گری شروع کی کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اسے عروج بھی نصیب نہ ہوتا۔ مختصر یہ کہ جب بشیر نے یہ جان لیا کہ حضور والیوں کی طرف مائل ہوں تو وہ عجیب عجیب ہتھکنڈے استعمال کرنے لگا۔ کبھی تو ان کے حسن و جمال کی تعریف کے پل باندھ دیتا اور کبھی ان کو بے وفا بتا کر مجھے ڈراتا۔

چونکہ حضور والیوں کا دستہ داروغہ نجم النساء بیگم نے آراستہ کیا تھا اور بشیر کو ان سے کدورت تھی اس لیے چاہتا تھا کہ کسی طرح بھی محل کے اندر اور محل کے باہر دونوں جگہ کا وہ داروغہ بن جائے۔

بشیر وہی شخص ہے جو حضرت خلد مکان کے ہاں خواجہ سراؤں کے زمرے میں تھا اور ان کی وفات کے بعد ولائتی محل کے ہاں (جو حضرت خلد منزل کا محل تھا) عہدۂ نظارت پر مامور تھا اور نصیر الدین حیدر خلد منزل کے انتقال کے بعد میرے دادا جان حضرت فردوس منزل کے محل ملکۂ جہاں کے ہاں خدمت گزاری کے عہدے پر رہا' پھر حضرت فردوس منزل محمد علی شاہ کے عہد میں اسے خلعتِ کیدانی مرحمت ہوا اور کھوپری والی پلٹن کا کمیدان ہوا' بعدِ وفاتِ حضرت فردوس منزل حضرت جنت مکان امجد علی شاہ نے از راہِ شفقت مجھے مرحمت

فرمایا۔ میں نے اس کی پرورش کے خیال سے اپنے محلات کی نظارت اسے عنایت کی۔

ایک دن عیش ونشاط کی محفل آراستہ تھی، میں حضور والیوں کی محبت میں مبتلا تھا اور ان میں سے ہر ایک عورت عشوہ و ناز دکھا رہی تھی اس موقع پر حیدری خانم نے جو حضور والیوں میں سے ایک تھی اپنے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ بشیر نے عرض کیا'' پیرومرشد! یہ حضور والا سے مکر کرتی ہیں، یہاں سے جو جواہرات و زر نقد لیتی ہیں اپنے عاشقوں کو دے دیتی ہیں۔ یہ سخاوت کب تک چل سکتی ہے۔ داروغہ نجم النسا بیگم چاہتی ہیں کہ حضور کا سارا مال ومتاع تلف ہو جائے۔ جو آدمی حضور کی خدمت میں رہنا پسند کرے اس کو بے شک زرو جواہر اور مال واسباب سے سرفراز کرنا چاہیے لیکن یہاں سے سب کچھ لے کر جو اپنے گھر چلی جاتی ہیں اور اپنے یاروں کو بانٹ دیتی ہیں انہیں نوازنے سے کیا حاصل؟ اس پر طرہ یہ کہ نہ صورت کی اچھی ہیں نہ سیرت کی۔''

اس کی تقریر سن کر میں نے کہا'' یہ سب میرے جاں نثار ہیں اگر میں انہیں صرف اشارہ کروں تو اسی وقت اپنا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کریں۔''

'' ہما کو زاغ کی صحبت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور زاغ ہما کے ساتھ رہے تو ہما کا نقصان ہے۔'' جب میں نے بشیر کو یہ جواب دیا تو اس نے کہا'' جناب عالی! کمسنی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے ابھی تک عورتوں کے فریب و مکر سے ناآشنا ہیں۔'' میں نے اس کی بات کو کاٹتے ہوئے ارشاد کیا'' تمہارا خیال صحیح نہیں ہے، میں ان لوگوں سے یہاں رہ جانے کو کہتا ہوں۔''

جب میں نے جا کر حضور والیوں سے اپنے یہاں رہ جانے کے لیے کہا تو انہوں نے حیلوں بہانوں سے کام لینا شروع کیا اور آج کل کہہ کر ٹالنے لگیں۔ اس طرح بشیر کا کہا درست معلوم ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک عورت نے کہا ہم اپنے آبائی گھر کیسے چھوڑ دیں۔ ایک بولی میرے بچے ہیں، میں کیونکر یہاں رک سکتی ہوں۔ ایک نے البتہ کہا میں رات دن کی خدمت کو حاضر ہوں۔ الغرض تاش کے پتوں کی طرح سب منتشر ہو گئیں۔ جب میں ان

کے فریبوں سے واقف ہوا تو دلی رنج ہوا۔

ہیہات! اٹھارہ عورتوں میں سے ایک عورت نے بھی میرا اور میری محبت کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ اسی دم اس جلسہ سے میرا دل اداس ہو گیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ بے مروت عورتوں کی سرپرستی کرنا سانپ کو پالنے کے برابر ہے۔ مناسب ہے کہ میں ان سے کنارا کش ہو جاؤں۔ لہٰذا ان سب کو اپنے گھر سے نکال دیا اور جھمگٹا صحرا کے سنگریزوں اور خزاں زدہ پیڑ کے پتوں کی طرح درہم برہم ہو گیا۔ اگرچہ ان میں سے چار پانچ عورتیں رہ گئیں لیکن ان کی طرف میں نے کوئی التفات نہ کی۔ ہر چند انہوں نے بہت کچھ معذرت خواہی کی لیکن میں نے ان کے کسی عذر کو قبول نہ کیا۔

مختصر یہ کہ سارا دفتر' دفتر پارینہ ہو گیا مگر حضور والیوں میں سے دو تین عورتوں کی محبت کا داغ دل پر رہ گیا۔

(۱۸)

قطب علی خاں ستار نواز

قطب علی خاں ستار نواز ستار بجانے میں بڑا مشہور تھا۔ قبل ازیں مختار الدولہ ابن ناصر الدولہ مرحوم کے پاس ستار بجانے پر نوکر تھا۔ اس کے آباؤ اجداد شہر بریلی کی راجپوت قوم سے تھے۔ جن کا سلسلۂ نسب رجہ جگت دیو سے جا ملتا تھا۔ اس شخص کی عمر تیس یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔ گندمی رنگ' مونچھیں کسی قدر لانبی' سارے سر پر بال' پڑھنے لکھنے میں ماہر' نثر نگاری میں اس کی بڑی شہرت تھی۔ شاعری سے بھی لگاؤ تھا اور موسیقی کے فن میں مشہور و ممتاز تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قطب علی خاں اس فن میں اس قدر مہارت رکھتا تھا کہ اس وقت کا وہ نائیک بیجو' نائیک گوپال اور تان سین تھا۔ اس شخص کو میں نے اپنے رفع ملال کے لیے ستار نوازی میں اپنا استاد مقرر کیا اور اس سے میں نے یہ فن اتنا سیکھا کہ کئی بار حاضرین محفل حیران رہ گئے۔ لوگ ہنستے ہنستے رو دیتے اور روتے روتے ہنس دیتے تھے۔ پیارے خاں

میری تعریفیں کرتا تھا اور میرا ستار سن کر جھومنے لگتا تھا۔ بعض وقت تو خود قطب علی خاں میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتا۔

میں نے اس فن کو کمال کے درجہ تک پہنچا دیا۔ اسی وقت سے قطب علی خاں میرا رفیق و ہمدم ہوگیا لیکن یہ آدمی لامذہب تھا۔ روزانہ دو تین پہر وہ میری صحبت میں رہتا تھا۔ ایک روز تاج محل کی ملاقات کا پیغام میرے نام لایا' جو کہ حضرت نصیر الدین حیدر خلد منزل کی محل تھیں۔ انہوں نے اپنی ایک مغلانی کے ذریعہ بھی کچھ باتیں کہلوائی تھیں لیکن میں نے اپنے چچا کے ادب و لحاظ سے صاف صاف جواب دے دیا۔ قطب علی خاں بھی محبت پسند اور عاشق مزاج آدمی تھا۔ جٹی بھنویں' گندمی رنگ' فارسی اور عربی زبان کا جاننے والا' بے بدل استاذ بذلہ سنجی' معنی فہمی اور دور بینی بھی اس میں کافی موجود تھی۔

حضور والیوں سے ترک ملاقات کئے ایک مہینہ ہوگیا تھا۔ اس لیے میں یہ سوچنے لگا کہ حسرت و یاس کا صدمہ کب تک برداشت کروں' بہتر یہ ہے کہ دو چار معشوقوں کو بلاؤں تا کہ حضور والیوں کا غم رفع ہو۔

(۱۹)

یاسمین پری

بڑی جستجو و تلاش اور کافی دوڑ دھوپ کے بعد ایک عورت دستیاب ہوگئی جس کو یاسمین پری کے نام سے ملقب کیا گیا۔ میں نے بہت کچھ چاہا کہ خود اس عورت کو اپنے دامِ محبت میں گرفتار کروں لیکن اس کے الھڑپن کی وجہ سے میں اپنی افسوں گری میں کامیاب نہ ہوسکا۔

(۲۰)

سلیمان پری

ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک دوسری عورت کو اپنے گھر بٹھایا اور اس کا

نام سلیمان پری تجویز ہوا۔

(۲۱)

عزت پری

اس کے چند ہی روز بعد ایک اور عورت دستیاب ہوئی۔ چونکہ خود اس نے اپنی خواہش ظاہر کی تھی اور میرے گھر بیٹھنے کا وعدہ بھی کیا تھا اس لیے میں بخوشی راضی ہو گیا اور اس کو عزت پری کے خطاب سے نوازا۔ چونکہ میری طبیعت میں نفاست پیدا ہو چکی تھی اور استاد قطب علی خاں کی معیت میں مختلف قسم کے لطف اٹھا تا رہا تھا اور محفلِ موسیقی منعقد کیے بغیر میرا جی نہ بھرتا تھا لہٰذا جو عورت کہ فنِ موسیقی سے نابلد ہوتی وہ مجھے ہرگز نہ بھاتی تھی۔ مذکورہ بالا تینوں عورتیں موسیقی کے الف بے سے بھی ناواقف تھیں۔ میری خواہش تھی کہ کوئی ناچنے گانے والی عورت دستیاب ہو چنانچہ میں نے ان عورتوں سے اپنی محبت نہیں بڑھائی۔

(۲۲)

سلطان پری

حیدری اور دلبر نام کی دو طوائفیں لکھنؤ بھر میں رقص و موسیقی کے فن میں بڑی بے مثال سمجھی جاتی تھیں۔ دلبر جو کہ حیدری کی بڑی بہن تھی میری خدمت سے فیض یاب ہونے کا فخر رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی چھوٹی اور حقیقی بہن کو میری خدمت میں نذرانے کے طور پر پیش کیا۔ حیدری کی عمر گیارہ برس کی تھی اور وہ کچھ کچھ ناچ گانے سے بھی واقف تھی۔ میں نے دلبر کے اس نذرانہ کو قبول کیا اور سلطان پری کے خطاب سے مشرف کیا۔ بشیر خواجہ سرا کی معرفت یاسمین پری' میر اکبر علی کے توسط سے سلیمان پری' نواب خاص محل صاحبہ کے توسط سے عزت پری' داروغہ نجم النسا بیگم کے توسط سے یہ لڑکی مجھ تک باریاب ہوئی تھی۔

(۲۳)

حور پری

اس واقعہ کو گزرے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ داروغہ میر محمد مہدی کے معرفت نجّو نام کی ایک عورت آئی اور میں نے اس کا نام حور پری رکھا اور اپنے گھر ڈال لیا۔ یہ عورت ناچ گانے کی بڑی ماہر تھی اور امیرن ڈومنی کی بیٹی تھی۔ اس نے کسبن کا پیشہ اختیار کیا تھا۔

(۲۴)

ماہ رخ پری

بعد ازاں داروغہ ارباب نشاط مسمی مہدی نے محبوب جان نام کی ایک پیشہ ور عورت کو کچھ زبردستی اور کچھ حیلے بہانے سے میرے حضور میں بھیجا۔ یہ عورت رقص و سرود کی ماہر اور اس کی شہرت دور دور تک پہنچی ہوئی تھی۔ اگرچہ ہر عہد میں داروغہ کا پیشہ اختیار کرنے والوں کا یہی دستور رہا ہے۔ اب خواہ لوگ ان سے خوش ہوں یا ناخوش ان لوگوں کو اپنے کام سے کام رہا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اب وہ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ گانے والیوں کو اپنے حضور میں پیش کرنے کا ولی عہدِ سلطنت کا حکمِ عام ہے تو اپنی امان اسی میں دیکھی کہ کسی عورت کو میرے حضور میں جبراً حاضر کر کے سرخروئی حاصل کریں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اسی طرح کی ایک عورت کو میری سرکار میں بھیجا گیا۔ جب میں نے اس کے حالات دریافت کئے اور اس سے اپنے گھر میں رہ جانے کی خواہش کی تو اس نے صاف انکار کیا اور کہا کہ دراصل مجھے دھوکے سے لایا گیا ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ نہ میرے گھر رہنا چاہتی ہے اور نہ اس کے دل میں میرے لیے کوئی جگہ پیدا ہو سکتی ہے تو کہا تو بخوشی اپنے گھر جا سکتی ہے' خداوند تعالیٰ مجھے اور عورت دے دے گا۔ میری یہ گفتگو سن کر اس نے عرض کیا" اے جانِ عالم! میں آپ کے صدقے جاؤں' ان قدموں کو چھوڑ کر اب کہاں

جا سکتی ہوں۔ میں امید کرتی ہوں کہ مجھے اپنی پریوں میں شامل کر کے میری عزت افزائی فرمائیں گے۔" غرض اس کی درخواست کو منظور کر لیا گیا اور اس کو ماہ رخ پری کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ اس عورت کی ایک رشتہ دار عورت راستہ چلتے میری بگھی کے گھوڑوں کے پاس گر گئی اور فریادی ہوئی۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ حضرت جنت مکان کے سامنے خدمتِ قلمدان میرے ذمہ تھی اور اس وقت میں اپنے والد صاحب کے مجرے کے لیے دربار کو جا رہا تھا۔ اس عورت کی آہ و بکا سن کر بڑا پریشان ہوا۔ میں نے پوچھا' تو کون ہے اور کیا چاہتی ہے؟ اس پر اس نے عرض کیا داروغۂ اربابِ نشاط نے میری لڑکی کو زبردستی چھین کر حضور کی خدمت میں بھیجا ہے۔ میں اس بارے میں آپ سے دادخواہ ہوں اور امید ہے کہ آپ میری درخواست منظور فرمائیں گے۔ میں اسی وقت اس عورت کو اپنے گھر لے آیا اور ماہ رخ پری سے دریافت کیا" کیا تم اس کو جانتی ہو؟" اس نے کہا" ہاں میں جانتی ہوں۔ آپ اجازت دیجئے اس کو میں کچھ علیحدگی میں سمجھاؤں گی۔" مختصر یہ کہ میں نے پانچ سو روپے ماہ رخ پری پر سے نچھاور کر کے اس کی ماں کو دیے۔ اس طرح اس نے راضی نامہ پر دستخط کر کے خوشی خوشی اپنے گھر کی راہ لی۔ اللہ اللہ۔ ایسی نیک خصلت عورت میرے دیکھنے میں کبھی نہ آئی تھی۔

(۲۵)

وزیرن طوائف

اس دوران میں وزیرن نام کی طوائف نے مجھ سے اپنی محبت جتانی شروع کی۔ یہ وہی وزیرن ہے جس کا تذکرہ گزشتہ ابواب میں ہو چکا ہے اور جو کہ نصیر الدین حیدر کے ہاں گانے والیوں کے زمرے میں تھی اور آج کل شیدی احمد کے پلے پڑی ہوئی ہے۔ مجھ پر ہی کیا موقوف ہے یہ عورت ایک دنیا کو اپنے دامِ تزویر میں صید کیے ہوئے ہے۔ گندمی رنگ'

عمر تیس برس کے قریب، ہاتھ پاؤں مناسب حد تک خوبصورت، بھنوئیں اور آنکھیں بھی کافی حد تک پرکشش۔ اس کی طبیعت میں شوخی اور ظرافت تھی۔ شروع میں برادر عزیز مرزا اسکندر حشمت اس کے کمندِ عشق کے اسیر تھے۔ چنانچہ اس نے ان سے کئی ہزار روپے وصول کیے۔ اکثر و بیشتر وہ مجھ سے شوخی و شرارت کیا کرتی۔ کسی وقت داروغہ نجم النساء کے توسط کو کام میں لاتی تھی اور کبھی امن و امان کے ذریعہ پیغامِ محبت پہنچایا کرتی۔ غرض کہ ہر روز اپنے بے شمار محبت نامے ارسال کیا کرتی تھی جن پر اس کی انگلی کے خون کی مہریں ثبت ہوا کرتیں۔ اس کی والہانہ محبت کی ایک معمولی سی مثال یہ ہے کہ میں جس روز درگاہ جایا کرتا تھا، اس روز حضرت عباسؓ کی درگاہ تک صرف مجھے دیکھنے کی خاطر جایا کرتی تھی چونکہ مجھے اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ وزیرن کے میرے بھائی مرزا اسکندر حشمت سے مراسمِ محبت ہیں، اس لیے ایک دن میں نے اس بات کو چھیڑا اور کہا کہ "تو ایک طرف تو میرے بھائی سے اپنا ربطِ محبت بڑھائے ہوئے ہے دوسرے ادھر میرے ساتھ بھی تیرا عشق بڑھا ہوا ہے۔ آخر دو آدمیوں سے چاہ کس طرح ممکن ہے؟" یہ سن کر صاف مکر گئی اور قسم کھا کر کہا کہ "مجھے تمہارے بھائی سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔"

ایک دن ایسا ہوا کہ عیش و نشاط کی مجلس بہار پر تھی۔ ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایسے میں خوش آواز گانے والی عورتوں کی آواز عاشق مزاج لوگوں کے دل پر نشتر زنی کر رہی تھی۔ محفل کو آراستہ کرنے میں کافی اہتمام اور تکلف سے کام لیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ کوئی محفل نہیں بلکہ کسی نوعروس کو سجایا گیا ہے۔ مالیوں نے تر و تازہ پھولوں کے نہایت ہی عمدہ گلدستے جگہ جگہ سجا رکھے تھے، جن کی وجہ سے ہماری محفلِ نشاط رشکِ ارم بن گئی تھی۔ دونوں طرف میرے مصاحبین صف بستہ اور قاعدے سے بیٹھے ہوئے تھے اور عجیب عجیب طرح کی دل لگی اور مذاق کا ہنگامہ برپا تھا۔ اسی محفل میں میرے برادرِ عزیز مرزا اسکندر حشمت بہادر بھی اتفاق سے موجود تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا "سنا ہے وزیرن سے تمہارا کچھ تعلق ہے، لیکن معلوم نہیں یہ محض افواہ ہے یا حقیقت۔"

اس پر میرے بھائی نے کہا ''میرے دربار سے وابستہ لوگوں اور مصاحبوں کے ہاتھ وہ اکثر میرے نام محبت آمیز خطوط بھیجتی رہتی ہے' جن میں اس کا بھی اظہار کرتی ہے کہ وہ میری محبت میں حالِ تباہ کو پہنچ گئی ہے۔ اس کے یہ خطوط ہنوز میرے پاس محفوظ ہیں۔'' بھائی کی یہ بات سن کر میں نے جواب دیا کہ ''اس عورت نے خود میرے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کر رکھا ہے۔''

آخرِ کار بھائی کے اور میرے مابین یہ طے پایا کہ اتفاق سے اس محفلِ عیش و طرب میں بیسیوں شریف اور وضعدار آدمی موجود ہیں۔ ان سب کی موجودگی میں وزیرن ہم دونوں میں سے جس کا ہاتھ تھام لے وہ اسی کی تسلیم کر لی جائے۔ اس کے بعد آئندہ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہ ہونی چاہیے۔ مختصر یہ کہ وہ بے مثال رقاصہ ایک دفعہ ناچتی ناچتی آگے بڑھی اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ساتھ ہی یوں گویا ہوئی کہ ''میر اسکندر حشمت بہادر سے کوئی تعلق نہیں۔ میں یہ تک نہیں جانتی کہ یہ کون ہیں؟'' اس کی اس تقریر سے محفل میں ایک نئی مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف سے قہقہے بلند ہوئے اور خوش آواز مطربوں نے نغمۂ مسرت گانا شروع کر دیا لیکن میرے بھائی اس فاحشہ عورت کے اس سلوک سے بڑے شرمندہ معلوم ہوتے تھے اور ایک عجیب دل شکستگی کے عالم میں محفل سے اٹھ کر چلے گئے۔ میں نے بھی محفل برخواست کرنے کا حکم دیا۔ اس واقعہ کے بعد سے وزیرن سے میرا اختلاط رہا۔ ان دلچسپیوں کے علاوہ میں کھیل اور تماشے سے بھی رغبت رکھتا تھا۔ لہٰذا میں نے اس سے طے کیا کہ فلاں دن گولہ گنج میں عظیم اللہ کمیدان کے ہاں ضرور جاؤں گا تم بھی وہاں چلی جانا۔ اس نے آنے کا قطعی وعدہ کیا۔

اس میں شک نہیں کہ اس کو میرے محل میں بلانے میں کوئی امر مانع نہیں تھا لیکن یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تا کہ اس کے دل میں تیری محبت کی آگ زیادہ سلگے اور مجھ سے ملاقات کا اشتیاق بڑھے۔

(۲۶)

علی نقی خاں اور وزیرن

مقررہ دن آخر آیا۔ میں نے عظیم اللہ کمیدان کے گھر جانے کی تیاری شروع کر دی اور ساتھ ہی ایک مختصر سی محفل کا انتظام کیا اور مصاحبوں اور دیگر ملازموں کو روز مرہ کے مکان سے رخصت کر دیا۔ دروازہ پر پہرہ مقرر کروایا کہ آنے جانے والوں پر پابندی رہے۔ ان انتظامات سے فارغ ہو کر میں نے دیدہ زیب ریشمی انگرکھا اور پاجامہ' جس پر تاج بنے ہوئے تھے' زیب بدن کیا اور زرّیں کلاہ سر پر رکھی اور اس کے بعد فینس پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور پہر رات گزرنے تک بخیریت عظیم اللہ کمیدان کے مکان پہنچا۔ اس وقت میں نے داروغہ نجم النساء بیگم اور دو مشعل برداروں کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔

عظیم اللہ تقریباً پچاس برس کی عمر کا تھا' اور قوم شیخ سے تھا اور اس کے دماغ میں کچھ فتور سا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے جیسے ہی مجھے دیکھا فوراً کھڑا ہو گیا اور سلام و مجرا کے مراسم ادا کئے اور میرے بیٹھنے کے لیے ایک کرسی پیش کر دی۔ اس کے بعد پان و عطر میرے ملاحظہ میں پیش کئے' جنہیں میں نے قبولیت کا شرف بخشا۔ اس موقع پر میرے چچا خسر علی نقی خاں بھی موجود تھے۔ سنا ہے یہ شخص مدار الدولہ مرحوم کی اولاد سے ہیں اور صحیح النسب سید ہیں۔ بڑی بڑی مونچھیں' دراز قد' دبلے پتلے' نہایت عقل مند و زیرک' مہذب و خلیق اور امیرانہ زندگی گزارتے تھے۔ ان کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہو گی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی میری تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔ میں آگے بڑھ کر ان سے بغلگیر ہوا۔ جب یہ سب کچھ ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ مکان بہت مختصر سا ہے اور وہ معشوقۂ طناز وہاں موجود نہیں ہے۔ تب میں نے عظیم اللہ سے دریافت کیا کہ "وہ آدمی کہاں ہے؟" اس نے دست بستہ عرض کیا کہ "ابھی حاضر ہوا چاہتا ہے۔" اس کے آنے تک ستار کی بڑی شاندار صحبت جمی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ گلبدنِ ناز بھی وہاں آ موجود ہوئی۔ پھر اس سے میرا مصافحہ اور معانقہ ہوا لیکن اس کا عجیب

حال تھا کہ کبھی روتی تھی اور کبھی کھلکھلا کر ہنستی تھی۔

برسات کا موسم تھا' آسمان پر ہر طرف سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔اس لیے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں زور کی بارش نہ ہونے لگے اور میرا گھر جانا ناممکن ہو جائے۔اس لیے نہایت حسرت واندوہ کے عالم میں اس سے رخصت ہوا۔علی نقی خاں سے اس روز پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔گھر پہنچ کر دیکھا کہ میں نے جو محفل برائے نام آراستہ کی تھی وہ اسی طرح جاری ہے۔میں سیدھا جا کر پلنگ پر لیٹ گیا۔اب رات چونکہ تھوڑی رہ گئی تھی اس لیے سو گیا۔داروغہ نجم النساء بیگم اپنی خواب گاہ میں جا کر سو گئیں۔حاصل کلام یہ کہ میری محبت کا جادو وزیرن پر بھی چل گیا تھا۔ادھر میں بھی اس کی تیغ ادا کا زخم خوردہ تھا۔کبھی وہ مجھے گھائل کرتی تو کبھی میں اس کو گھائل کر دیتا۔

(۲۷)

پریوں کی تعلیم

میں عیش وعشرت کے جلسے ترتیب دینے اور نت نئی گانے والیوں کو فراہم کرنے کے خیال سے کبھی غافل نہ رہتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ سازندوں اور موسیقی کے فن کے ماہروں کی ہر وقت تلاش جاری رہتی تھی تا کہ پریوں کی تعلیم جاری رہے اور وہ اس فن میں ماہر ہو جائیں۔

امن وامامن' ان دونوں بہنوں نے ایک روز کہا کہ ہمارے بعض رشتہ دار اس فن میں بڑے بے مثال ہیں۔میں نے یہ سن کر امن وامامن کے ان رشتہ داروں کو حاضری کا حکم دیا۔چنانچہ ایک دن محفل چودھویں رات کے چاند کی طرح کی منعقد کروائی اور خود میں خاص مکان کے برج کی چلمنیں چھڑوا کر امن وامامن کے ساتھ ستار لے کر بیٹھ گیا اور ان آنے والوں کا انتظار کرنے لگا۔تھوڑی دیر بعد وہ لوگ آ گئے۔یہ کل چار آدمی تھے۔ان میں ایک امن وامامن کا باپ تھا جس کا نام تھو خاں تھا۔دوسرا شخص ان کا چچا تھا اس کا نام غلام نبی تھا'

تیسرا ان کا برادر نسبتی گھمن جان اور چوتھا ان کا ماموں غلام حیدر۔ ان چاروں نے آتے ہی مجرے کے بعد سرود شروع کر دیا۔ ادھر پردے کے پیچھے سے میں بھی ستار کی آواز بر سر محفل پہنچا رہا تھا۔ اس وقت محویت و بے خودی کا کچھ ایسا عالم طاری تھا کہ در و دیوار اور ماہ و انجم تک ششدر معلوم ہوتے تھے۔ حاضرین میں سے ہر ایک کی زبان سے کلماتِ تحسین ادا ہو رہے تھے۔ ان لوگوں کا گانا اتنا اثر انگیز تھا کہ میں نے اپنا سر چلمن پر رکھ دیا۔

اس روز کے مظاہرے کے بعد تھو خاں اور گھمن جان کو حور پری اور سلطان پری کی تعلیم کے لیے ملازم رکھا۔ ان کے علاوہ بھی کئی ایک ناچ اور گانے کے ماہرین فن ملازم رکھے گئے۔ ثابت علی اور چھجو خان دونوں بھائی سازندوں کے زمرے میں دوسری پریوں کی تعلیم کے لیے ملازم رکھے گئے اور ہر روز ایک جلسہ طرب و محفل نشاط کے انعقاد کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

خود میں بھی تھو خاں کے شاگردوں کے ساتھ گایا کرتا تھا۔ تھوڑی مدت میں میں اس قابل ہو گیا کہ اپنے استاد کو پیچھے کر دیا۔ یہ اسی زمانہ کا ذکر ہے جب کہ غلام رضا میرے ہاں ملازم ہوا۔ اس کا تذکرہ میں نے پیشتر کیا ہے۔ اس کی عمر کوئی چھبیس سال کی تھی۔ پستہ قد' کسی قدر فربہ اندام' آنکھیں خوبصورت' خوش طبع اور خوش مزاج آدمی تھا۔ وہ زبردست طاقت کا بھی مالک تھا۔ ایک روز ہرن کا سینگ لے کر تنکے کی طرح توڑ دیا تھا۔ اطاعت گزاری میں بھی لاجواب تھا۔ یہی سبب ہے کہ میں نے ہر وقت اس کو حاضر رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔

(۲۸)

پری خانہ کی آراستگی

اس عرصہ میں ایک چھوٹا سا مکان فنِ موسیقی کی تعلیم کے لیے میں نے مخصوص کروایا۔ جس کی آرائش و زیبائش میں انتہائی تکلف سے کام لیا گیا اور اس خانہ رشکِ ارم کو

"پری خانہ" کے نام سے موسوم کیا۔ یہ مکان سراسر پریوں اور گانے والیوں کے قبضہ و تصرف میں تھا۔ مکان کے صحن میں سفید سنگِ مرمر کا فرش کروایا گیا اور اس فرش پر چینی کے نہایت عمدہ اور خوبصورت گلدستے سجائے گئے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے سے لکڑی کی چوکیاں اور قیمتی پلنگ رکھے گئے۔ باہر کے دروازے پر ترکی عورتوں کا پہرہ تھا جس کی وجہ سے کسی غیر کو اندر آنے کی مجال نہ تھی' البتہ داروغہ نجم النساء بیگم امن و امامن' پری خانہ کی پریاں اور گانے والے بے روک ٹوک آ جا سکتے تھے۔

پری خانہ میں غلام رضا گھمن جان' چھجو خان اور ثابت علی روزانہ دو تین پہر تک موجود رہتے اور ان کی صحبتِ نشاط سے محفل گرم رہتی تھی۔ اس طرح پریوں کی بھی تعلیم و تربیت ہو جایا کرتی۔ میں بھی موسیقی کا علم حاصل کرنے میں ہمہ تن مصروف تھا۔

(۲۹)

منا سے ملاقات

جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا میرا یہ ذوق و شوق اور بڑھتا گیا اور میری یہ خواہش ہوئی کہ گانے اور ناچنے والی جتنی بھی عورتیں دستیاب ہو سکیں اچھا ہے۔ چنانچہ ہر شخص پر میں نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تھا۔ جو شخص بھی اس مطلب کی عورتیں میرے حضور میں پیش کرتا تھا اس کے لیے ایک نیا لفظ "معروضہ" وضع کیا گیا تھا۔ فرض کیجئے کہ کسی کے توسط سے کوئی گانے ناچنے والی عورت آتی تو کہا جاتا کہ فلاں معروضہ حاضر ہے' جس کا مطلب یہ ہوتا کہ یہ عورت میرے گھر پڑنے کو آئی ہے۔ لہٰذا آئندہ کسی عبارت میں "معروضہ" کا لفظ آئے تو اس کا مطلب وہی لیا جائے جو میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ اگر کسی جگہ عرضی اور عرضداشت کے الفاظ آئیں تو ان کے معنی وہی ہوں گے جن معنوں میں یہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

ایک روز ایسا ہوا کہ داروغہ نجم النساء بیگم اور امن و امامن نے یک زبان ہو کر کہا

کہ "حضور! کے لیے ہم نے ایک "معروضہ" انتخاب کیا ہے جو زمانہ میں بے مثال ہے اور قدر دانوں کا خیال ہے کہ ایسا پیکرِ خوبی کبھی چشمِ افلاک نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ رقص و سرود کے فن میں بھی یکتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ حسنِ صورت میں بھی اس کا کوئی جواب نہیں۔ عمر اس کی سترہ اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں۔ اس جانِ خوبی نے ایک روز آپ کو کہیں دیکھ لیا تھا۔ اس روز سے کھانا پینا حرام کر رکھا ہے۔ اس کی دلی خواہش ہے کہ وہ پریوں میں داخل کر لی جائے۔ اس کا نام منا ہے۔" تب میں نے اس کے خاندانی حالات دریافت کیے تو بیان کیا گیا کہ وہ وزیرن کی حقیقی بھانجی ہے اور اپنی خالہ سے مخفی طور پر حضورِ والا کے فیضِ محبت کی طلب گار ہے۔ یہ بات معلوم کر کے میں صبر و تحمل کھو بیٹھا۔ اس کے اشتیاقِ دید میں میرے لیے رات دن ایک ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اس کی خبر وزیرن کو بھی ہوئی۔ وہ بہت پریشان ہوئی اور اس کی زندگی دوبھر ہو گئی اور رقابت کی آگ میں جلنے لگی۔ مختلف طریقوں سے منا کی طرف سے مجھے ڈراتی رہی لیکن اس کو کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ میرے دل میں اس کے عشق کی آگ اور تیز ہوتی گئی۔ انجامِ کار ان تین خواتین کی کوششوں سے ایک دن رات کو منا میرے گھر آ گئی۔ وہ رات کس قدر عیش و مسرت لے کر آئی تھی میں کچھ بیان نہیں کر سکتا لیکن جب صبح ہوئی تو اس سنگین جرم کے بدلے میں اپنی برادری کی عدالت سے اس غریب کو قید کی سزا ہوئی لیکن قید خانہ میں بھی ایک لمحہ کے لیے وہ میری یاد سے غافل نہ رہی۔ کبھی تو وہ زار و قطار روتی تھی اور کبھی میری پرسشِ حال کرتی تھی۔ آخر وہ میر محمد مہدی کی ذہانت اور جان توڑ کوشش سے قید سے آزاد ہوئی اور میرے گھر رہ گئی۔ اس کی محبت کی آگ میرے دل میں تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ میرے ہاں کی معشوقوں اور خوبصورت پریوں کی محفلیں دیکھیں تو اس میں تابِ ضبط نہ رہی' اور آتشِ رشک سے اس کا سینہ پھنکا جاتا تھا۔ اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے وہ مختلف تجویزیں بھی سوچنے لگی تھی۔ جب منا میرے گھر پڑ گئی تو وزیرن نے مجھ سے ترکِ ملاقات کر لی اور حکیم نواب مرزا اور علی بخش رسالدار جیوش سے ربط محبت بڑھایا۔ پھر ان سے بھی الگ ہو کر حاجی خانم کے بھائی شیدی احمد کو اپنے کمندِ عشق کا صید

کرلیا۔ آج کل اسی کے گھر میں عسرت وتنگدستی کے ساتھ بسر کر رہی ہے۔ شیدی احمد کا میں پہلے تذکرہ کر چکا ہوں۔ یہ ایک پچاس برس کے سن کا آدمی ہے لیکن خدا جانے وزیرن اس بوڑھے کھوسٹ کے گھر کیوں پڑی ہوئی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

(۳۰)

منا کا فریب دینا

انہیں دنوں چھوٹے خاں نام کا ایک شخص ہمارے شہر میں وارد ہوا۔ یہ شخص شاہجہاں آباد کا رہنے والا تھا۔ طبلہ بجانے کے فن کا ماہر اور اس فن کا منتہی تھا۔ وہ چونکہ ذریعۂ معاش کی تلاش میں آیا ہوا تھا اس لیے میرے ہاں ملازمت کی کوشش شروع کر دی اور آخر الامر شیخ غلام علی کی معرفت طبلہ نوازوں کے زمرے میں ملازمت مل گئی۔ وہ کوئی پینتیس برس کا خوش رو اور کسرتی جسم کا آدمی تھا۔ رنگ انتہائی گورا اس کی طبیعت میں بلا کی شوخی تھی دراسے سیر سپاٹے کا بھی بڑا شوق تھا۔ اکثر زنانِ بازاری اس پر جان نچھاور کرتی تھیں اور یک دنیا اس کی والا و شیفتہ تھی۔ اس میں ایک وصف یہ بھی تھا کہ وہ مصاحبت کے ڈھنگ وب جانتا تھا۔ غرض عجیب خوبیوں کا آدمی تھا۔ عاشق پیشہ معشوق صفت کہنا بے جا نہ ہوگا۔ پنی انہی خوبیوں کی بدولت وہ میری قدر دانی و توجہ سے مشرف ہوا۔ رفتہ رفتہ وہ اپنے مراہیوں سمیت "بہارِ محفل" کے معزز خطاب سے سرفراز ہوا اور مجھ سے اس کا ربط وضبط اس قدر بڑھا کہ وہ غلام رضا کے مرتبہ تک پہنچ گیا' اس کی کچھ کچھ توجہ منا یعنی امتیاز پری پر بھی تھی۔

امتیاز پری خواہ مخواہ رات دن حسد کی آگ میں جلتی تھی۔ ایک روز اسی نامبارک جذبے سے مغلوب ہو کر اس نے اپنے گھر جانے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن میں نے اسے منع کیا۔ اس پر اس نے کہا کہ "میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کے لیے جانا چاہتی ہوں۔ آپ کو کچھ یرا انتظار کی زحمت نہ دوں گی۔" میں اس کے فریب میں آگیا اور اسے جانے کی اجازت

دے دی۔ جب وہ دو روز تک بھی واپس نہ آئی تو میں بڑا پریشان ہوا اور داروغہ نجم النساء بیگم کو اس کے گھر بھیجا لیکن اس نے میرے گھر آنے سے صاف انکار کر دیا اور کسی قیمت پر بھی راضی نہ ہوئی۔ جب میں نے یہ واقعات سنے تو بڑا دکھ ہوا اور اپنا ہاتھ دانتوں میں لے کر کاٹنے لگا۔

(۳۱)

امتیاز پری کا انتقال

اسی زمانہ میں فیروز خواجہ سرا کے توسط سے ایک اور خواجہ سرا محمد حسین میرے ہاں ملازم ہوا۔ یہ شخص قبل ازیں سیف الدولہ میر ہادی کی بیوی کے ہاں غلام رہ چکا تھا۔ یہ ایک پچیس سال کا نوجوان تھا۔ نہایت نیک امانت دار اور جاں نثار شخص تھا۔ غرض کہ اس میں کوئی عیب بھی نہ تھا اور میرے ساتھ اس نے خیر اندیشی کا کچھ ایسا سلوک کیا کہ میں اب تک اس کا ممنون ہوں۔ وہ خدمت گزاری میں سرگرمی و مستعدی سے مصروف رہتا تھا۔

جب میں نے داروغہ نجم النساء بیگم کی زبانی امتیاز پری (منا) کا حال سنا تو آپے سے باہر ہو گیا اور محمد حسین خاں مذکور کو حکم دیا کہ اسی وقت جا کر اس کو زبردستی اس کے گھر سے کھینچتا ہوا میرے روبرو لائے۔ یہ حکم سنتے ہی محمد حسین خاں نے ذرا بھی تامل نہ کیا اور فوراً روانہ ہو گیا اور کچھ دیر بعد دیکھا کہ وہ امتیاز پری کو گھسیٹتا ہوا لے آیا۔ ہر چند وہ زار و قطار رو رہی تھی لیکن میرے حکم کی تعمیل میں اس کی کوئی پروا نہ کی۔ جب وہ میرے سامنے لائی گئی میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا اور کہا "تجھ پر خدا کی مار ہو' کیا اسی صورت سے تو میری محبت کا دم بھرتی تھی۔" مختصر یہ کہ دو ایک روز اسے اپنے گھر میں رکھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس کا دل میری طرف سے صاف نہیں ہے اور میری جان کی دشمن ہو رہی ہے اور کسی صورت وہ اپنے گھر جانا چاہتی ہے تو میں نے ہیرے کی ایک انگوٹھی نشانی کے طور پر دے کر بڑی مشکل سے اس کو روانہ کر دیا۔ اس کے بعد پھر اسے کبھی بلانے کا خیال نہ ہوا۔ اس واقعہ کے تقریباً

ایک سال بعد اطلاع ملی کہ مرض دق میں مبتلا ہو کر مرگئی ہے۔ خس کم جہاں پاک۔

(۳۲)

دلربا پری

امتیاز پری کو دور کرنے کے بعد میں دوسری پریوں کے رقص و سرود میں اپنے اوقات نہایت پر لطف طریقہ پر گزار رہا تھا۔ دن عید رات شب برات تھی۔ ایک روز اکبر الدولہ بہادر کے توسط سے چنی نامی طوائف میری محفل میں مجرے کے لیے حاضر ہوئی۔ جیسے ہی میں نے اسے دیکھا اس پر سو جان سے عاشق ہو گیا۔ ادھر اس نے اپنا کل زیور اپنے جسم سے اتار کر اپنی ماں (فیضو چونے والی) کو دے دیا اور کہا کہ یہاں سے اب میں ہرگز نہ جاؤں گی۔ وہ رونے پیٹنے لگی۔ اس کے بعد چنی نے اپنے اوپر سے دو ہزار روپے صدقے کر کے فیضو کے حوالے کیے۔ روپے کو دیکھ کر وہ خوش ہو گئی' اور اسی وقت ایک راضی نامہ لکھ کر اپنے گھر چلی گئی۔ میں نے چنی کو دلربا پری کے خطاب سے ملقب کیا۔

جاسوسوں نے اس واقعہ کی خبر میرے والدِ ماجد حضرت جنت مکان کے گوش گزار کروادی۔ حضرت جنت مکان نے دلربا پری کو اپنے حضور میں طلب فرمایا۔ میں یہ سن کر بہت پریشان ہوا اور دلربا پری کی مفارقت کے خیال سے بڑا رنج پہنچا۔ دل ربا پری نے مجھے تسلی دیتے ہوئے عرض کی' ''حضورِ والا! اس قدر ملول نہ ہوں۔ مجھے بلا خوف آپ بھیج دیجئے۔ میں بادشاہ سلامت کے ملاحظہ میں اپنی ماں کے ہاتھ کا لکھا ہوا راضی نامہ پیش کر دوں گی تاکہ انہیں یہ یقین ہو کہ میں آپ کے ہاں ظلم و تشدد کی بنا پر نہیں آئی۔'' گو اس کی تجویز معقول تھی لیکن اس کو رخصت کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ لیکن مجبوری ہی ایسی تھی۔ آخر کیا کرتا؟ قصہ مختصر بادلِ نخواستہ میر محمد مہدی داروغہ کے ہمراہ شاہِ جم جاہ حضرت جنت مکان کے حضور میں روانہ کر دیا۔ اس نے وہاں پہنچتے ہی حضور سے عرض کی کہ میں بادشاہ سلامت کے عدل و انصاف کی خواستگار ہوں۔ مجھے حرام کاری سے دلی نفرت ہے اور میں باعزت

زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ ثبوت میں میری ماں کے ہاتھ کا لکھا ہوا راضی نامہ بھی پیش کرسکتی ہوں۔'' ارشاد والا ہوا کہ راضی نامہ پیش ہوا۔ اس نے فوراً پیش کردیا۔ راضی نامہ کو ملاحظہ فرمانے کے بعد ارشاد ہوا کہ اسی طرح بحفاظتِ تمام ولی عہد بہادر کے محل میں پہنچا دیا جائے۔ دراصل اس عورت نے مجھ پر یہ اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس کے بار گراں سے میرا سر نہیں اٹھتا۔ اس عورت کی عمر کوئی تیس برس کی تھی۔ گندمی رنگ' کشادہ پیشانی' متناسب اعضا' ناچ گانے کے فن میں بھی یکتا تھی..... جب وہ میرے پاس رہ گئی تو پریوں کی تعلیم میں اپنا زیادہ تر وقت صَرف کرنے لگی۔ جیسے جیسے دن گزرتے جاتے تھے میرے دل میں اس کی محبت کی افراط ہوتی جاتی تھی۔

میں نے پریوں کے لیے طرح طرح کے لباس تیار کروائے تھے اور اس کا انتظام و انصرام نواب خاص محل کے سپرد تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس خصوص میں بڑی مستعدی اور خوش ذوقی کا ثبوت دیا اور نہایت عمدگی سے اس کام کی انجام دہی کیا کرتیں۔ ان معاملات پر میرا کئی لاکھ روپے خرچ ہوتا تھا۔

(۳۳)

سرفراز پری

ایک پیشہ ور عورت تھی' جس کا نام تھا گنا۔ اس نے اس پیشہ سے توبہ کرلی تھی۔ پھر اس کے بعد اپنے ایک رشتہ دار سے شرعی عقد کرلیا اور بھلی عورتوں کی سی زندگی گزارنے لگی۔ کہتے ہیں ایک رات اس نے مجھے خواب میں دیکھ لیا اور وحشت کے عالم میں بیدار ہوئی اور اسی دم اس کے دل میں میری محبت کا تیر پیوست ہوگیا۔ اس کی عمر کوئی ستائیس برس کی تھی۔ چہرے پر چیچک کے داغ' اس کی آنکھیں اور بھنویں خوبصورت تھیں' قد و قامت نہایت موزوں۔

یہ عورت شیخ غلام علی کمیدان کے توسط سے فیروز خواجہ سرا کے ہاتھ لگی' اور اس بات

کی خواہش مند ہوئی کہ میرے ہاں پریوں کے زمرے میں شامل ہو۔ میں نے اس کی درخواست کو قبول کیا لیکن چونکہ اس کا شوہر موجود تھا اس لیے مجھے اپنے گھر رکھنے میں پس و پیش تھا۔ لہٰذا اس نے حضرت مجتہد العصر قبلہ و کعبہ کے ہاں جا کر طلاق لے لی۔ اس کے بعد مجھے اپنے پاس رکھنے میں کوئی عذر نہ ہوا۔ میں نے اس کو "سرفراز پری" کے معزز خطاب سے سرفراز کیا اور میں اور پریوں کے مقابلہ میں اس عورت کی محبت سے زیادہ متاثر ہوا۔ یہ خاتون خوش پوشاک و خوش مزاج واقع ہوئی ہے۔

(۳۴)

حیدری بیگم

حیدری بیگم مرثیہ خواں اس زمانہ میں میرے ہاں ملازم تھی۔ وہ نہایت نیک و پاک باز عورت تھی۔ میں اس کی محبت کی دل سے قدر کرتا تھا۔ ایک دن داروغہ نجم النساء بیگم کے توسل سے میرے پاس آئی تھی۔ جب وہ جا چکی تو میں بھی اسے بھول گیا۔ اس کی خواہش تھی کہ محلات میں اسے بھی لے لیا جائے لیکن میں نے منظور نہ کیا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ایک روز اسی کوفت میں کانچ (شیشہ) پیس کر کھا لیا۔ جب مجھے اس کی اطلاع ہوئی تو حضرتِ والدِ ماجد کی طرف سے مجھے خوف ہوا۔ پھر فوراً میں نے اس کو ملازمت سے موقوف کر کے اس کے گھر رخصت کر دیا۔

(۳۵)

سردار پری

انہوں دنوں امن اور امامن کے ذریعہ سے ایک طوائف کی لڑکی؛ جس کی عمر صرف گیارہ سال تھی' نذر کے طور پر میرے حضور میں پیش کی گئی۔ یہ لڑکی کمسن ہونے کے باوجود سرخ و سفید رنگت کی تھی۔ آنکھیں بڑی خوبصورت تھیں۔ وہ موسیقی کی تعلیم حاصل کرنا چاہتی

تھی۔ چنانچہ اس کو تعلیم بھی دی گئی۔ اس کو میں نے سردار پری کا خطاب دیا۔

(۳۶)

عجائب خانم

نواب خاص محل صاحبہ کے ذریعہ سے ایک عورت میرے پاس لائی گئی جس کو میں نے عجائب پری کا خطاب دیا تھا۔ یہ عورت ناچ گانے میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔

(۳۷)

رجب کی نوچندی

ایک روز حضرت عباس علیہ السلام کی درگاہ کی زیارت کے لیے ماہِ رجب المرجب کی نوچندی میں تمام پریوں کو بھیجا۔ اس وقت پریوں کو نہایت مکلف لباس اور بیش قیمت زیورات پہنائے گئے اور ان کی سواری کے لیے نفیس ترین فینسیں اور پالکیاں آراستہ کی گئیں۔ جب یہ کارواں روانہ ہوا تو ایک عجیب کروفر نمایاں تھا۔ ایسا منظر شاید کبھی چشمِ فلک نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ میں نے ان پریوں کے ساتھ داروغہ میر محمد مہدی اور داروغہ نجم النساء بیگم کو کر دیا تھا۔

سنا کہ جس وقت پریوں کا یہ پرا روانہ ہوا' بازار میں راہ چلتے لوگوں اور درگاہ شریف کے تمام حاضرین کی نظریں اسی جانب تھیں۔ یہ بھی سنا کہ اسی رات حیدر حسین خاں سے تاک جھانک کے ضمن میں جھگڑا بھی ہوا۔ لیکن میر محمد مہدی نے کمال دانش مندی سے اس فساد کو رفع کروایا۔ پہر رات تک درگاہ میں گزار کر یہ لوگ خیریت سے واپس ہوئے اور میرے نہایت شکرگزار تھے کہ میں نے انہیں اس قسم کا موقع دیا لیکن جب اس کی اطلاع حضرت جنت مکان کو ہوئی تو وہ سخت برہم ہوئے اور آئندہ کے لیے سخت تاکید فرمائی۔

ان لوگوں کو بے پردہ درگاہ کو بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ میں نے تین عورتوں کو محل قرار دیا

تھا اور وہ پردہ میں رہتی تھیں لیکن پریوں کے اس پردے کا کچھ مطلب ہی نہ تھا۔ لہٰذا ایک روز مجھے خیال ہوا کہ کسی کو محبت کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے دل میں جذبۂ محبت پیدا نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ معشوق اپنے کو آزاد تصور نہ کرے اس کی محبت کا اندازہ دشوار ہے۔ اس لیے میں نے ان کی خواہش کو پورا کرنا ضروری سمجھا تھا۔

(۳۸)

سلیمان محل

دن اسی طرح گزر رہے تھے۔ چند دنوں بعد سنا کہ نواب نشاط محل اور سلیمان پری حمل سے ہیں۔ یہ اطلاع میرے لیے نہایت مسرت کا باعث ہوئی اور فلک الافلاک تک تہنیت کی آوازیں جانے لگیں۔ یہ خبر سنتے ہی میں نے سلیمان پری کو محل میں داخل کر کے سلیمان محل صاحبہ کا خطاب مرحمت فرمایا اور اسی وقت عمدہ قسم کی اشیاء اور قیمتی لباس، جواہرات کی کشتیاں اور کچھ دوسرا سامان انہیں مہیا کیا اور ساتھ ہی انہیں پردے میں بٹھایا۔

خدا کے فضل و کرم سے حمل کے دن پورے ہونے کے بعد ان دونوں محلوں سے ماہ و مشتری تولد ہوئے اور ان کی ضیائے حسن سے تمام دنیا روشن ہوگئی۔ نواب نشاط محل صاحبہ کے بطن سے مرشد زادۂ والد دودماں تولد ہوئے۔ اس کے دادا صاحب نے اس کی والدہ کو خلعتِ تہنیت اور تحفہ عنایت فرمائی اور میرے فرزند کو مرزا سپہر قدر خطاب عنایت کیا۔ نواب سلیمان محل صاحبہ سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کو اس کے دادا صاحب نے سپہر آراء کبریٰ بیگم کے خطاب سے ممتاز فرمایا۔ الحمد للہ۔

(۳۹)

سپہر آرا

میری بہن، جو میرے چچا منیر الدولہ کے بیٹے سرفراز الدولہ سے منسوب ہیں، ان

کے اولاد تو ہوتی تھی لیکن ایک بچہ بھی زندہ نہ رہا۔ اس لیے میری والدہ صاحبہ کی رائے سے حضرت جنت مکان نے میری لڑکی سپہر آرا کبریٰ بیگم صاحبہ کو ان کی گود میں ڈال دیا اور اس کی پرورش و نگہداشت بھی انہیں کے ذمہ کر دی۔ گاہے گاہے سپہر آرا کبریٰ بیگم صاحبہ کو لایا جاتا تاکہ میں اور اس کی ماں اسے دیکھ لیں۔ ایک رات ہمارے ہاں گزارنے کے بعد وہ دوسرے دن صبح واپس چلی جاتی تھیں۔ یہ بات اگرچہ مجھے پسند نہ تھی اور بچی کی جدائی میں بعض وقت میں پریشان سا ہو جاتا تھا لیکن میرے والدین کی مرضی ہی ایسی تھی۔ میں کیا کر سکتا تھا ان کی اطاعت بہر حال مجھ پر فرض تھی۔ وہ جو کہیں اس کی تعمیل مجھ پر لازم تھی۔

(۴۰)

مرزا بیدار بخت

اس کے چند ہی روز بعد یہ مژدۂ جانفزا سنایا گیا کہ نواب خاص محل صاحبہ حاملہ ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی میں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ مدتِ معینہ گزرنے کے بعد مثلِ ماہِ تاباں ایک لڑکا تولد ہوا۔ اس کے دادا نے اس خوشی میں مبارکباد کی گیارہ ضرب توپ کی سر کروائیں۔ خاص خاص لوگوں اور مقربان نے مبارکباد کی رسم ادا کی اور نذریں پیش کیں۔ اس خوشی میں ایک ''جشنِ جمشیدی'' کا اہتمام کیا گیا اور محفلِ طرب منعقد کی گئی۔ پریوں نے جواہرات بیش بہا اور لباسِ فاخرہ سے اپنے آپ کو سجایا۔ اللہ اللہ ایک عید کا سماں تھا۔ یہ ایک ایسا جشنِ مسرت تھا کہ پھر کوئی ایسا جشن نہیں ہوا۔ اس کے دادا نے مرزا بیدار بخت کے خطاب سے اسے ملقب فرمایا اور بڑے چاؤ سے اناؤں کی گودوں میں اس کی پرورش ہوتی رہی۔

(۴۱)

شمس آرا بیگم

چند روز کے بعد ایک اور خبر مسرت افزا ملی کہ محل کی ایک اور ملازمہ فرخندہ نامی

حمل سے ہے۔ میں پھر سجدہ شکر بجالایا اور اسے پردے میں بٹھا دیا لیکن محل کا اعزاز نہ بخشا۔ صرف فرخندہ خانم صاحبہ کا خطاب دیا گیا۔ دن پورے ہونے کے بعد ایک دختر نیک اختر پیدا ہوئی۔ اس کے دادا صاحب نے اس کو شمس آرا بیگم صاحبہ کا خطاب عنایت فرمایا۔

(۴۲)

شہنشاہ پری

ایک روز داروغۂ نعمت خانہ فیروز خواجہ سرا اور شیخ حسین علی کے ذریعہ سے پیاری نامی ایک عورت میرے ملاحظہ میں آئی۔ یہ عورت عمدہ آبادی والی تھی۔ میں نے اس کو پریوں کے زمرے میں شامل کر لینے کا حکم دیا اور شہنشاہ پری خطاب دیا اور دستور کے مطابق اس کو بھی رقص وسرود کی تعلیم دی جانے لگی۔

(۴۳)

معشوق پری

جہانی نامی ایک ڈومنی کی لڑکی پیارے صاحب محمد حسین خواجہ سرا کی معرفت میرے ملاحظہ میں لائی گئی۔ میں نے اس کو بے حد پسند کیا اور اس کو گھر بٹھا لیا۔ معشوق پری اس کا خطاب قرار پایا۔ رقص وسرود کی اس کی بھی تعلیم ہونے لگی۔

(۴۴)

مہک پری

امن و امان کی معرفت ایک زنِ خانگی آئی جو میرے مرغوبِ طبع ہوئی۔ اس کو میں نے پریوں میں شامل کر لیا اور مہک پری کے خطاب سے نوازا۔ رقص وسرود کی اس کی بھی تعلیم ہونے لگی۔

(۴۵)

دلدار پری

کچھ ہی دنوں بعد بندی جان الٰہی جان نامی ایک عورت محمد حسین علی خواجہ سرا کی معرفت میرے ملاحظہ سے گزری اور پسندِ خاطرِ ہمایونی ہوئی۔ اس کو دلدار پری کا خطاب دیا گیا۔ حسبِ دستور پری خانہ میں اس کو بھی رقص و سرود کی تعلیم دی جانے لگی۔

(۴۶)

حضور پری

اس زمانہ میں داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ کی معرفت حسینی نامی ایک لڑکی آئی اور میں نے اسے پسند کیا۔ اس نے صرف قواعدِ موسیقی سیکھنے کا اعزاز حاصل کیا' وہ بھی کچھ کچھ۔ اس کو حضور پری کا خطاب دیا گیا۔ یہ لڑکی بدھیہ نامی طوائف کی بیٹی تھی۔

(۴۷)

معشوقۂ خاص

ایک عجیب داستان سنیے کہ نواب نشاط محل صاحبہ کے بطن سے سپہر قدر کی پیدائش کے سلسلہ میں جب بزمِ نشاط برپا تھی' مختلف قسم کی بوڑھی رقاصائیں اور مطربانِ خوش آواز کو بھی بلایا گیا تھا۔ اسی ضمن میں اچھے نامی ایک طوائف بھی آ گئی تھی۔

خوبصورت چہرے تو دیکھنے میں آتے ہی ہیں لیکن اس کا سراپا میں کیا بیان کروں۔ کیا تھا' بس خدا کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا' جو نگاہوں کو دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔ خوش رُو' خوش آواز' چال میں بجلی کی تڑپ' پری رُو' سیم بر' نازک ادا' نازک بدن' سرو قد' سیم تن' غنچہ دہن' گل پیرہن' پری پیکر' حور شمائل اپنی ایک ایک ادا سے حاضرینِ محفل کے دل پارہ

پارہ کر رہی تھی۔ اس کے حسن تقویٰ شکن کو دیکھ کر ملائک بھی اپنی عبادت کے خیال سے غافل تھے۔ وہ ہنستی تو یوں معلوم ہوتا پھول جھڑ رہے ہیں۔ جس وقت میں نے اس ستم گرِ دل نواز کو دیکھا تو صبر و ضبط کا یارا نہ رہا۔ اس وقت میں ''گلزار منزل'' کے بالا خانہ پر بیٹھا ہوا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور اس جاں سوز نظارے سے مجھ کو ضعف آ گیا تھا۔

اس روز کثرت سے بدلیاں آئی تھیں اور میرے دل کی سرزمین پر محبت کے بادل برس رہے تھے۔ اس میں شک نہیں اس زمانہ میں خود مجھ میں بھی بتانِ شوخ و شنگ کے سے آثار موجود تھے۔ میری طلسم آفریں آنکھوں کے آگے، سامری کو بھی سبقت لے جانا محال تھا۔ یوسف کو میرے حضور میں بار پانا مشکل تھا۔ میری زلفِ پر پیچ مشکِ تاتار کو شرمندہ کرتی تھی۔ میری ناوکِ مژہ اغیار کے سینوں میں کانٹے کی طرح چبھتے تھے، حسن و جمال، لطافت و ملاحت میرے آگے سربسجود تھے۔ ادا و ناز میری ادنیٰ سی کنیزیں تھیں۔ آہوانِ رم خوردہ میری چشمِ پر فریب سے رک جاتے تھے۔ سنبلِ پیچاں میری کاکلوں کی اسیر تھی۔ میرے رخسار مثلِ آئینۂ حلب، میری زنخداں سیبِ سرخ تھی، میری آنکھیں ناتوانوں کے لیے مایۂ قوت تھیں۔ میرے ہونٹ معشوقوں کے لیے جاں نواز تھے۔ میری بھنویں کمانِ کیانی، میری پیشانی چاندنی کی طرح چمکتی، میرے حلقۂ گیسو کمندِ بلا تھے، جس میں بے شمار دل اسیر ہو کر تڑپتے تھے۔ میرے مژگاں کے تیروں سے عاشقوں کے دل زخمی تھے، میری ابرو کی تیغ معشوقوں کی جان کی دشمن تھی۔ زلفیں شبِ تیرہ و تار کی مانند اور عارض صبحِ وصال کے مثال تھے۔ قد و قامت سروِ مراد کی طرح، جو معشوقوں کے دل ہزار فریب سے قابو میں کر لیتا تھا۔

مختصر یہ کہ وہ معشوقۂ طناز بڑی آرزو و تمنا کے ساتھ مجھے دیکھتی جاتی تھی۔ ادھر میری حالت بھی غیر ہوئی جاتی تھی۔ وہ جب بھی ناچتی میرے قریب آ کے میرا ہاتھ پکڑ لیتی اور میں چھیڑ چھاڑ کرتا تھا۔ آخرِ کار وہ بزم ختم ہوئی اور وہ اپنے گھر چلی گئی لیکن وہ میری محبت کا تیر کھا چکی تھی۔

یہ واقعہ رونما ہو کر تین چار ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس دوران میں دو چار بار اس کی ملاقات میسر آئی لیکن وہ اپنی ماں کی وجہ سے مجبور تھی اور اپنی ماں سے اس قدر ڈرتی تھی کہ اپنی محبت کا اظہار بھی نہ ہونے دیا اور دل ہی دل میں میری محبت کو پروان چڑھاتی رہی۔ رفتہ رفتہ وہ اپنی ماں سے لڑائی جھگڑا بھی کرنے لگی۔ انتہائے مجبوری میں کبھی بے اختیار ہو کر رو پڑتی۔ کبھی میر اکبر علی کے ذریعہ اپنا پیامِ محبت میرے نام بھیجا کرتی۔ اسی زمانہ میں ایک بار میں نے پھر اسے مجرے پر بلایا لیکن حضرتِ والدِ ماجد اور والدۂ معظمہ کے ڈر سے فوراً رخصت کر دیا کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ان لوگوں نے مجھ پر کچھ پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اپنے گھر بٹھانے کا کبھی خیال بھی نہ آیا لیکن میر اکبر علی کی سعیِ بلیغ سے ایک روز وہ میرے گھر آ کر پڑ ہی گئی اور چھ ہزار روپے اپنے اوپر سے صدقہ اتار کے اپنی ماں کو دیئے۔

یاسمین پری جس کے میرے گھر پڑنے کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے رقص و سرود کی تعلیم کے بعد یکتائے زمانہ ہوگئی اور اس کا حسن بھی کچھ ایسا نکھر آیا کہ وہ لاثانی ہوگئی۔ اگرچہ مجھے اس سے پہلے سے الفت زیادہ تھی لیکن اس کے مزاج میں ابھی بچپن تھا اور علمِ موسیقی میں بھی کامل نہ ہونے کے باعث میں اس کی طرف التفات نہ کرتا تھا لیکن کچھ زمانہ گزرنے کے بعد وہ سچ مچ ایک پری بن گئی۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس سے محبت کی ابتدا کی۔ خود یاسمین پری بھی مجھ پر سو جان سے فدا تھی۔

مجھے اس سے اس درجہ محبت ہوگئی کہ اس کے بغیر خواب و خور حرام ہو گیا۔ جب وہ ناچ گانے میں مصروف ہوتی تو میں اس کے جمالِ دلفریب و ادائے دل ستاں میں کھو جاتا۔ یہ سلسلہ کوئی ایک سال تک جاری رہا اور اس کا ستارۂ الفت میرے فلکِ توجہ پر ضوفشاں رہا۔ آگے چل کر کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ یہ رشتۂ محبت ٹوٹ گیا۔

حالات یہ تھے کہ کچھ دنوں سے میں سرفراز بیگم پر مائل و ملتفت تھا۔ یہ دیکھ کر یاسمین پری برداشت نہ کر سکی اور وہ آتشِ رشک و حسد میں جلنے لگی۔ اس لیے اس نے ترک

تعلقات کے علاوہ کوئی صورت ہی نہ تھی۔

یہ اسی زمانہ کی بات ہے کہ جبکہ بتوسط مصاحب خاص غلام علی خاں پدر غلام رضا خاں غلام نبی خاں اس کا برادر اور غلام حیدر خاں اس کے برادر نسبتی اور چھونے خاں کے ذریعہ اس کا برادر گھسیٹے خاں اور غلام احسن خاں کے توسل سے اس کا برادر نسبتی محمد حسن خاں جو سارنگی بجانے والوں کی ذات سے تھا صاحب پسند الہیا خاں اور چھجو خاں کے ذریعہ اس کے دو برادر حیدر علی اور نثار علی اور قطب علی کے ذریعہ اس کا برادر خواجہ بخش خاں ملازم ہوئے اور میں نے ان کو مصاحبان خرد کا خطاب دیا۔

(۴۸)

مرزا فریدوں قدر

معشوق پری کو موسیقی کی تعلیم شروع کئے ابھی تین ماہ ہی گزرے تھے کہ قاصد خوش مقال نے یہ خبرِ پر مسرت سنائی کہ وہ حاملہ ہو چکی ہے۔ میں نے خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور پری مذکور کو پردے میں بٹھا کر اس کو محل کا درجہ عطا کیا۔ اس کے بعد مختلف ملبوساتِ فاخرہ اور زیوراتِ بیش بہا اور چند ایک تحفے اس کو عنایت کئے نیز اس کے رہنے کو ایک آراستہ محل سرائے تجویز کر کے اس کے حوالے کیا۔

ایامِ حمل گزارنے کے بعد خدائے بزرگ و برتر کی مہربانی سے ماہِ محرم الحرام کی نو تاریخ کو فرزندِ فرخندہ فال پیدا ہوا۔ میرے والدِ ماجد حضرت جنت مکان نے مرزا فریدوں قدر بہادر کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ ساتھ ہی مجھے بھی ایک خلعتِ فاخرہ مرحمت فرما کر میری عزت بڑھائی اور معشوق پری کو نواب معشوق محل صاحبہ کے خطاب سے نوازا۔

(۴۹)

مہر آرا بیگم

اسی دوران میں ایک اور مژدۂ جاں فزا سننے میں آیا کہ عزت پری امید سے ہے

میں یہ سن کر پھر ایک بار سجدۂ شکر بجالایا اور عزت پری کو پردے میں بٹھا دیا اور عزت محل صاحبہ خطاب دیا اور دوسری محلات کی طرح اس کو بھی ممتاز و معزز فرمایا۔ دراصل نواب معشوق محل صاحبہ اور عزت محل صاحبہ ایک ساتھ ہی حاملہ ہوئی تھیں۔ لہٰذا محرم الحرام کی سات تاریخ کو عزت محل صاحبہ کے بطن سے دخترِ نیک اختر مثلِ ماہتاب ضوفشاں متولد ہوئیں۔ حضرت والدِ ماجد یعنی اس کے دادا نے اس کا مہر آرا بیگم صاحبہ نام تجویز کیا۔ مرزا فریدوں قدر بہادر اپنی بہن مہر آرا بیگم صاحبہ سے صرف دو روز چھوٹے تھے۔

(۵۰)

داروغہ نجم النساء بیگم کا سانحۂ ارتحال

راویٔ غمگین و راقمِ دل گرفتہ داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ کا کچھ حال رقم کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے کہ قارئینِ خوش باش و وضعدارانِ نکتہ سنج کو لمحاتِ مسرت میں لمحاتِ موت کو فراموش نہ کرنا چاہیے۔ چونکہ یہ دنیا فانی ہے اور اس کی حیثیت محض پانی کے ایک بلبلہ کی سی ہے لہٰذا ہر جاندار کو ایک دن داروئے مرگِ ناگہانی کا مزہ چکھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دانایانِ عالم و عاقلانِ بالغ نظر اس دنیا کو نقش بر آب سے زیادہ تصور نہیں کرتے اور اس کو ایک چلتی پھرتی چھایا سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ایسا اس لیے سمجھتے ہیں کہ ہم جس کو سایہ سمجھ بیٹھے ہیں وہاں تھوڑی دیر میں کڑی دھوپ سر پر آجاتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار اور بموجب آیتِ کریمہ کل نفس ذائقة الموت اور کل من علیها فان و یبقیٰ وجه ربک ذوالجلال والاکرام لازم و ملزوم ہے۔ لہٰذا میں اپنے اشکِ ملال کو اپنی ناامیدی کی آستین سے صاف کر کے قارئین کی خدمت میں بہ ہزار رنج و ملال عرض پرداز ہوں کہ داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ جو زنان خانہ کی داروغہ میری شفیق و انیس، جلیس و رفیق اور ہمدم و محبوبۂ بے ریا تھیں اور جو مجھ پر پروانہ وار جان چھڑکتی تھیں یکایک پیکِ قضا کا نشانہ بن گئیں اور مجھ فراق زدہ کو مجبور و پر ملال چھوڑ گئیں۔ جب میں نے یہ خبرِ وحشت اثر سنی تو ہاتھوں کے

طوطے اڑ گیے اور میں دیوانہ سا ہو کر از خود رفتہ ہو گیا اور بستر غم پر گر کے زار و قطار رونے لگا۔ اس کے علاوہ میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ مجبوری و ناچاری کی حالت میں دل پر صبر کا پتھر رکھ کر بیٹھ رہا اور مرحومہ کے لیے دعائے خیر کرتا رہا۔

(۵۱)

امیر پری

نواب نشاط محل صاحبہ کے ذریعہ ایک عورت میرے گھر میں داخل ہوئی اور امیر پری کے خطاب سے سرفراز کی گئی۔ اصل میں یہ ایک طوائف تھی جو کرم بخش والی کے نام سے مشہور تھی۔ اس کی عمر اٹھارہ برس یا اس سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ حسب قاعدہ اس کو بھی پریوں میں شامل کر لیا گیا اور موسیقی کی تعلیم پر اس کو بھی لگا دیا گیا لیکن چونکہ وہ پہلے ہی سے اس فن کی ماہر تھی اس لیے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی لیکن چونکہ بے پروائی سے کام لینے میں موسیقی کے فن پر برا اثر پڑنے کا امکان تھا اس لیے مشق جاری رکھنے کے خیال سے اس کا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا گیا۔

(۵۲)

وزیر پری

فیروز خواجہ سرا اور نواب خاص محل صاحبہ نے ایک عورت کو میرے ملاحظہ میں پیش کیا جس کو میں نے بے حد پسند کیا اور اپنے گھر میں ڈال لیا۔

یہ عورت سکھ بدن والی کے نام سے مشہور تھی۔ گرمی کے موسم میں وہ میرے ہاں آئی تھی اور اپنے ناچ گانے کا اتنا اچھا مظاہرہ کیا کہ میں نے بلا تامل اسے قبول کیا اور وزیر پری کا خطاب دیا۔ اس کی بھی تعلیم جاری رہی۔

(۵۳)

امراؤ عمدہ خانم

ایک روز کا ذکر ہے کہ مطربانِ نغمہ سنج' ساقیانِ عہد شکن' ایک خاص ادائے دلنوازی کے ساتھ ہر طرف سے فروشی کر رہے تھے۔ عندلیبانِ ترانہ سنج و طیورِ شیریں سخن زمزمہ پردازی میں مگن تھے' بوئے گل چمن میں چاروں طرف پھیل کر مشامِ جاں کو راحت بخش رہی تھی۔ موجِ ہوا دلبرانہ انداز سے گلِ مراد چن چن کر حاضرینِ محفل پر نچھاور کر رہی تھی۔ قصرِ خاقان دلہن کی مانند سجا ہوا تھا۔ ہر فانوس معشوقِ اصلی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پیش کر رہا تھا' بلوریں جھاڑ اور کانچ کے درختوں کو ایک عجیب قرینہ سے ترتیب دیا گیا تھا۔ جا بجا نامور بادشاہوں اور سلاطینِ سلف کی تصاویر آویزاں کی گئی تھیں۔ سرخ باناتی کا نفیس ترین فرش بچھا تھا۔ موقع موقع سے قدِ آدم آئینے نصب کیے گئے تھے۔ خاص کر ''راحت منزل'' کی تزئین و آرائش میں خاص اہتمام سے کام لیا گیا تھا۔ ''حضرت باغ'' کی نہر کا دل نواز منظر عجیب سماں پیش کر رہا تھا' جس کو دیکھ کر ایک دنیا غرقِ حیرت تھی۔ ''چشمۂ شیریں'' کے اطراف مردنگیاں لگائی گئی تھیں۔ ولایتی لیمپوں پر شیشے کے کنول ڈھانپے گئے تھے۔ سلیقہ مند مالی پودوں اور درختوں کی دیکھ بھال کے لیے جگہ جگہ موجود تھے۔ باغ کی ہر روش نہایت صاف وشفاف تھی۔

قصرِ خاقان کے بیچوں بیچ ایک نفیس میز بچھائی گئی تھی' جس پر طرح طرح کے انگریزی کھانے' خوش ذائقہ فواکہات' شیشے' پتھر اور چاندی سونے کے برتنوں میں چنے گئے تھے۔ مختلف رنگوں کے گلدستے اور بیش قیمت مرتبان رکھے گئے تھے۔ انگریزی چھری کانٹے بھوکوں کے لیے نشتر کا کام دے رہے تھے اور ہر طرف ظروف میں مرغِ روح کو اسیر کرنے کے پھندے دھرے تھے۔ نودارد خواجہ سرا محمد حسین خاں اس تقریب کا منتظم تھا اور نہایت جوش و انہماک سے کام میں مشغول تھا۔ باورچی سہیل کی طرح اس ''ماہتابِ اغذیہ'' کے اطراف

بالے بنائے ہوئے تھے۔ لیموں اور فالسے کے شربت سے بھری ہوئی صراحیاں جگہ جگہ رکھی تھیں۔ اس میز کے اطراف نفیس و خوبصورت کرسیاں محبوبوں اور گل رخ پریوں کے لیے بچھائی گئی تھیں اور ہر کرسی پر ایک ایک پری چہرہ ہاتھ میں چھری کانٹا لیے ہوئے بیٹھی تھی۔ میرے لیے ایک الگ کرسی' جو جواہر نگار و مرصع تھی' بچھائی گئی تھی۔ اس روز میں بھی دولہا کی طرح سجا ہوا تھا۔ آبدار موتیوں کا تاج سر پر تھا اور قبائے ولی عہدی زیب بدن تھی۔ گلے میں موتیوں کی مالائیں اور بازوؤں میں بیش بہا نورتن بندھے ہوئے تھے۔ نہایت ہی قیمتی آٹھ لڑا دست بند ہاتھوں میں تھا۔ سرخ اطلس کا پاجامہ' جس کے ہر سوزن کے سوراخ پر موتی ٹانکے گئے تھے' پہنے ہوئے تھا۔ نہایت نفیس مطلا جامہ زیب بدن تھا' جس پر قیمتی مروارید کے چاند تارے بنے ہوئے تھے۔ چمکتی ہوئی تلوار ہاتھ میں تھی۔ عطر حنا میں سارا جسم بسا ہوا تھا۔ میری پیشانی سے جوانی کا عالم اور آنکھوں سے شباب کی مستی نمایاں تھی۔ انگریزی باجے کی آواز سے ایک عجیب کیف برس رہا تھا۔ خوش آواز زہرہ جبین پریاں میرے سامنے ایک ادائے خاص سے گا رہی تھیں اور زہد شکن انداز سے ناچ رہی تھیں۔ یہ جلسہ امام ہمام کی پیدائش کے روز چودہ تاریخ ماہِ شعبان کو منعقد ہوا تھا۔

اس روز میں نے اپنی پیچدار زلفوں کی لٹیں اپنے منہ پر چھوڑ رکھی تھیں۔ یکایک ایک معشوقۂ دلنواز' شوخ و عشوہ پرداز' دل آزار و دل فریب' سمن برو سرو تمثال و غنچہ دہن میرے روبرو آئی۔ اس کی پلکیں نشتر زنی کر رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں معلوم ہوتا تھا کہ ہلاکت آفریں زہر پلانے کو بے چین ہیں۔ سینے کا ابھار تجملِ حسن کی غمازی کر رہا تھا۔ کان کیا تھے گوشوارہ حسن تھا۔ اس کا چہرہ کتابی مضمونِ عشق کا آموختہ تھا۔ ناک انگشتِ شہادت کی شاہد تھی۔ اس کے عارض ورقِ گلستاں و پیشانی ہم شبیہ بوستان تھی۔ آنکھوں کی سیاہی رشکِ شب دیجور اور رخسار آئینۂ چینی اور گیسوے دراز گلوئے رستم کے لیے کمند تھے۔ اس کے گیسوے مشکیں پر سنبلِ پیچاں تصدق اور لب خوش رنگ جنت کا خرمہ تھے۔ دانت بہشتِ بریں کی شیرینی لیے ہوئے تھے۔ اس کی زبان کیا تھی حسن و مستی کا خامہ تھا۔ اس کے ہاتھ

برقِ تپاں کی مثال تھے۔ غرض کہ اس کا سراپا کچھ ایسا تھا کہ اس کی تصویر کشی کے لیے الفاظ کے کئی دفتر درکار ہیں۔ وہ ابھی پندرہ سال کے سن میں تھی۔ اس کے جمالِ جہاں آرا کے آگے موجودہ عہد کی تمام حسیناؤں کا حسن گرد تھا۔ اس کا نام امراؤ عمدہ خانم والی مشہور تھا۔ اس کے حسن کی جلوہ زائیوں سے ایک دنیا مبتلائے اذیت تھی۔ جس وقت میں نے اس کو اس کو اور اس نے مجھے دیکھا تو ہم دونوں کے دل تیرِ عشق کے گھائل ہو گئے۔ اس دوران میں رقص و سرود کا غلغلہ بیدار ہوا اور اس جلسہ میں ایسا ہنگامۂ نشاط برپا ہوا کہ ایک عجیب لطف کا سامان پیدا ہو گیا اور ایسی پر لطف صحبت اس سے قبل کبھی میسر نہ آئی تھی۔

دوسرے دن وہ معشوقۂ عاشق مزاج اپنے جذبۂ محبت سے مغلوب ہو کر اپنی زبانِ جادو اثر سے یوں گویا ہوئی کہ "آپ کے جذبۂ محبت نے میری حالت ہی بدل کر رکھ دی ہے اور طاقتِ ضبط کا یارا نہیں رہا۔ لہٰذا اب کوئی ایسی تجویز روبہ عمل لانی چاہیے جو یادگارِ زمانہ ثابت ہو۔ میں زندگی بھر آپ کی تابع فرمان رہوں گی۔ اب دل آپ کو چھوڑ کر رہنا نہیں چاہتا۔"

میں نے جب اس کی یہ اثر انگیز تقریر سنی تو بڑی خوشی حاصل ہوئی اور اپنی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ لیا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے اس کو شرفِ قبولیت بخشا لیکن چونکہ مجھے اپنے والدِ ماجد کی طرف سے ڈر تھا اس لیے اپنے ہم نشینوں اور رازداروں کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ آخرِ کار سب کی رائے ہوئی کہ از روئے شریعت اس خصوص میں مجتہدین سے مدد لینی چاہیے۔ یہ تجویز معقول تھی۔ میں نے اپنی سرکار کے داروغہ میر محمد مہدی کو طلب کیا اور ان سے گفتگو کی اور سید ابراہیم علی خاں نے، جو آج کل سید ابراہیم علی خاں بہادر کے خطاب سے مفتخر ہیں، بہانہ تلاش کر کے کسی مصلحت کی بنا پر اس ناز آفریں سے متعہ کر لیا اور ایک عرضی ترک و فسخ اور نکاحِ ثانی کے ضمن میں لکھ کر مجتہدین کی خدمت میں بہ حسنِ توسط محکمۂ شرعیہ میں بھیج دی اور ساتھ ہی سید ابراہیم علی اور نازنینِ مسطور کو بھی روانہ کیا۔ اس سلسلہ میں داروغہ میر محمد مہدی نے بڑی سعی و کوشش کی۔ نتیجتاً اپنے منصوبہ میں کامیابی ہو گئی۔ بعد ازاں

اثنائے راہ میں سید ابراہیم علی نے محکمۂ شریعہ سے واپس آتے ہوئے امراؤ کو طلاق دے دی۔ اس طرح وہ نازنین مجھے مل گئی۔ میں نے اس کو جہتہ السلطان مکرمتہ الزمانی سکندر بیگم صاحبہ کا خطاب دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑی حیادار عورت تھی۔ میرے پاس آنے کے بعد اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی جس پر کوئی اعتراض ہوتا۔ چند دن گزرنے کے بعد اس کی ماں عمدہ خانم مجرے کے بہانے سے ایوانِ شاہی میں باریاب ہوئی اور موقع نکال کر میرے والدِ ماجد سے فریاد کی کہ میری لڑکی امراؤ کو صاحب عالم ولی عہد بہادر نے زبردستی پکڑ کر اپنے گھر ڈال رکھا ہے لہٰذا میں آپ سے انصاف چاہتی ہوں۔ میرے والدِ ماجد عدل گستری اور انصاف پروری میں یکتائے زمانہ تھے۔ انہوں نے جب یہ حال سنا تو اس واقعہ کی تحقیق کے لیے امراؤ کو حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا۔ میں بھاگا ہوا والدۂ ماجدہ کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ وہ نازنین میری ممنوعہ بیوی ہے اور میں اس کو دل سے چاہتا ہوں۔ میں نے ہرگز اس پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ بہ رضا و رغبت وہ میرے پاس آئی ہے۔ ادھر وہ سرمایۂ ناز و وفا کیش نہایت پریشانی کے عالم میں ڈرتے ڈرتے اور زار و قطار روتی ہوئی روانہ ہوئی۔ میرے لیے اس کی یہ جدائی ناقابلِ برداشت تھی لیکن کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ کبھی اپنی بے بسی پر روتا تھا اور کبھی پاگل کی طرح ہنس پڑتا تھا اور کبھی سرِ راہ جا کر ٹہلنے لگتا اور کبھی گھر میں آ کر دروازہ بند کر کے بیٹھ جاتا۔

جس وقت وہ گلِ ہمیشہ بہار میرے والدِ ماجد کے روبرو پیش ہوئی تو عمدہ خانم کو بھی حاضر کیا گیا۔ بہت ساری بحث و تکرار کے بعد امراؤ نے عرض کیا کہ اگر لونڈی کو عملِ شنیعہ کی اجازت دی جاتی ہے تو اس مکارہ عمدہ خانم کے ساتھ جائے گی اور اگر عملِ حسنہ کا حکم نافذ فرمائیں تو میں سید ابراہیم علی کے پاس جاؤں گی کہ میں ان کی ممنوعہ ہوں۔ اس پر حکم ہوا کہ تم اپنے شوہر کے پاس جاؤ اور عمدہ خانم کا تم پر کوئی دعویٰ جائز نہیں اور آئندہ وہ کبھی ایسی نالش نہ کرے ورنہ جرمانہ و سزا کی مستحق سمجھی جائے گی۔

(۵۴)

امامن کا انتقال

جامِ رنگیں جب صہبائے گل عذاراں سے بھر گیا تو یکا یک میری پیر بہن' میری مونس جان وانیسِ تنہائی امامن کے انتقالِ پر ملال کی منحوس خبر میرے گوش گزار ہوئی۔ میں نے انتہائی بے تابی میں اپنے آپ کو دریائے غم واندوہ میں ڈال دیا اور اس نئے غم نے میرے دل میں جگہ کر لی۔ اس کی موت کیا تھی ایک کانٹا تھا جس کی خلش میرے دل میں پیدا ہوگئی۔ اس رفیقہ کے بعد وہ ''محفلِ نشاط'' جو ان ہی لوگوں کی توجہ سے برقرار تھی' سونی ہوگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

(۵۵)

محمدی کہاری

میری ولی عہدی کے شروع زمانہ میں میری خدمت اور مختلف بالائی کاموں کے لیے ایک عورت ملازم رکھی گئی تھی۔ یہ عورت قوم کی کہاری تھی۔ یہ عورت بڑی شوخ مزاج اور سانولی رنگت کی تھی۔ قبل ازیں مرزا نصیر الدین بہادر مرحوم کے ہاں کہاریوں کے زمرے میں ملازم رہ چکی تھی۔ میری خواہش ہوئی کہ اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناؤں۔ چنانچہ اس نے مجھ سے وعدہ بھی کیا مگر یہ شرط رکھی کہ اسے ''مہری گری'' کے عہدے پر فائز کیا جائے۔ میں نے اس کی یہ شرط منظور کر لیا اور بہتر النساء خانم صاحبہ کا معزز خطاب دے کر مہری گری کے عہدے پر اسے سرفراز کیا۔ اس کی محبت میرے دل میں زیادہ سے زیادہ پیدا ہوتی گئی لیکن جب اس سے یہ کہا گیا کہ وہ میرے گھر پڑے تو اس نے انکار کر دیا۔ جب میں اس کی ملاقات ترک کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو وہ بری طرح رو پڑتی تھی۔ ایک روز تو مجھے بڑا غصہ آ گیا۔ گھر نہ پڑنے کی خطا پر ملازمت سے برطرف کر دیا لیکن اس نے اس قدر شر برپا کیا

اور اپنی حالت کو برباد کیا کہ میں ڈر گیا اور فوراً اس کو بحال کر دیا۔ عجیب عورت تھی' نوکر تھی لیکن میری محبت میں دیوانی ہو رہی تھی اور گھر نہ پڑنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ میں اس کو اچھی اچھی چیزیں اور عمدہ ملبوسات دیتا رہتا تھا اس لیے کہ خود مجھے بھی اس سے محبت پیدا ہو گئی تھی۔ وہی عورت مجھے دونوں وقت کھانا کھلایا کرتی تھی۔

(۵۶)

شاہ بخش

اس زمانہ میں نواب خاص محل صاحبہ کے توسط سے سترہ برس کی ایک عورت میرے گھر پڑی' جس کو خدمت گاروں اور خواصوں کے زمرے میں شامل کر لیا گیا۔ یہ ایک چست و چالاک عورت تھی۔ میں نے کبھی اس کو پسند نہ کیا۔ یہاں تک کہ اسے میرے سامنے بیٹھنے کی اجازت بھی نہ تھی'۔ اس کا کام صرف یہ تھا کہ وہ اپنا مقررہ عہدہ سنبھالے رہے' اس کو شاہ بخش کا خطاب دیا گیا تھا۔

(۵۷)

الطاف بخش

نواب خاص محل صاحبہ کے ذریعہ اسی زمانہ میں ایک اور عورت' جس کا سن سترہ برس کا تھا' میرے گھر پڑی اور خواصوں کے زمرے میں سرفراز کی گئی اور الطاف بخش خطاب قرار پایا۔ اس میں شک نہیں یہ عورت بڑی خوبصورت تھی لیکن میری پسندِ خاطر نہ ہوئی۔ اس کو بھی میرے روبرو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ صرف اپنے کام سے کام تھا۔ وہ علمِ موسیقی حاصل کرنے میں بھی ناکام رہی تھی۔

(۵۸)

شیریں حبشن

محمد حسین علی خاں کی معرفت شیریں نام کی ایک حبشن میرے گھر پڑی اور اسے بھی خواصوں کے زمرے میں ممتاز کیا گیا۔

(۵۹)

فضہ حبشن

شیریں حبشن کی معرفت ایک اور حبشن میرے گھر پڑی جس کا نام فضہ تھا۔ یہ بھی خواصوں کے عہدے پر فائز ہوئی۔

(۶۰)

لیلےٰ حبشن

شیریں حبشن کے ذریعہ ایک اور عورت لیلےٰ حبشن میرے گھر پڑی اور خواصوں کے زمرے میں شامل ہوئی۔

(۶۱)

حضرت جنت مکان کا تحفہ

انہیں دنوں مرزا نصیر الدین حیدر مرحوم کی ایک باعفت محل ملقب بہ بادشاہ محل کا انتقال ہوا۔ ان کا مال و اسباب ضبط ہوا تو ضبطی میں میرے والد ماجد کو چھ لونڈیاں بھی ملیں۔ ان چھ لونڈیوں کو ازراہِ شفقتِ پدری مجھے مرحمت فرمایا۔ میں نے دو کو اپنی خدمت کے لیے رکھ چھوڑا اور بقیہ چار کی شادی کر دی۔ جو لونڈیاں میرے تصرف میں آئیں ان میں سے

ایک کو فرخندہ بخش اور دوسری کو شاہ بخش کے خطاب سے ملقب کیا۔ یہ وہی فرخندہ بخش ہے جس کے بطن سے ایک لڑکی نواب شمس آراء بیگم ہو کر انتقال کر گئی اور اسی وجہ سے وہ اسامیوں کے زمرے میں شامل ہو کر فرخندہ خانم صاحبہ کے معزز خطاب سے سرفراز کی گئی اور پردے میں بٹھائی گئی تھی لیکن اس کو کیا کیجئے کہ اس کی قسمت خراب تھی جس کی وجہ سے نواب شمس آراء بیگم زندہ نہ بچی ورنہ یہ عورت محل کے رتبہ تک پہنچ جاتی۔

(۶۲)

نواب خاص محل کی بے تعلقی

خداوند تعالیٰ پروردگار کونین کے فضل سے' جس کے قبضہ میں زمین و آسمان ہیں' اس "پری خانہ" نے خاطر خواہ ترقی حاصل کی۔ اس کی محفل کے ناچ گانے دلوں میں تڑپ پیدا کرتے تھے۔ سننے والوں کے کانوں میں ایک گرمی سی دوڑ جاتی تھی۔ میری پریوں نے اپنے فن میں اس قدر درک حاصل کر لیا کہ راجہ اندر کو وہ قاف کی پریوں کو بھی خاطر میں نہ لاتا۔ ہر پری کی دلبرانہ ادا سے انسان کا دل ٹکڑے ہوا جاتا تھا۔ میں اس جلسہ کی تمام ترقی کو محسوس کرتا تھا۔ اگر میں ایک کے دل نشیں فریب سے چھٹکارا حاصل کرتا تو دوسری کے کمند ناز میں اسیر ہو جاتا۔ کھانا' پینا' سونا' بیٹھنا' سیر تماشا' خواہ کسی موضوع پر بھی بحث ہو رہی ہو پریوں کے بغیر کسی چیز میں کوئی لطف نہ آتا۔ ان پریوں میں سے بیشتر حاملہ ہوئیں اور محل کے مرتبہ پر پہنچیں۔ بعض نے اپنی دلربا اداؤں سے مجھے مسخر کر لیا اور کسی نے اپنے دام فریب میں پھنسا لیا۔ مختصر یہ کہ ہر ایک پری نے مجھے اپنے اپنے جادو کے شیشہ میں اتار لیا تھا۔ کسی وقت بھی رنج و ملال کی صورت میرے تصور میں نہ آتی تھی۔ البتہ دو ایک سانحات رونما ہوئے تھے۔ ایک تو داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ کا انتقال' دوسرا میری رفیق و دمساز اماّمن کی موت اور ایک میری دختر کی رحلت' ورنہ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ رنج کیا چیز ہے اور غم کیا بلا ہے۔

میرا یہ مشغلۂ محبت و رابطۂ عشق و وصال میری دوسری بیگمات کو ہرگز گوارا نہ تھا۔ خاص کر نواب خاص محل صاحبہ نے تو اپنے دل میں ایک خارِ الم پیدا کر لیا اور اندر ہی اندر آتشِ رشک سے جلنے لگیں۔ کسی کو طعنہ دیا تو کسی کا دل دکھا دیا' کسی کی پوشاک میں کوئی نقص رکھا' کسی کے زیور میں کوئی عیب نمایاں کر دیا۔ مختصر یہ کہ ایسی ہی عجیب عجیب حرکتیں کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات لڑائی جھگڑے پر بھی آمادہ ہو جاتی تھیں۔ ان کے اس سلوک سے ہر عورت تنگ تھی۔ ان کی طرح اور بیگمات جو پردے میں رہتی تھیں اور ان سے میری ملاقات نہیں ہو پاتی تھی وہ بھی بے حد جلتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ چند روز سے پریوں کی آرائش و زیبائش میں فتور ہونے لگا۔ آخر میں نے مجبور ہو کر پریوں کی آرائش کا کام بیگمات محل سے واپس لے لیا اور یہ خدمت داروغہ محمد حسین علی خاں کے سپرد کی اور ساتھ ہی اسے محمد معتمد علی خاں کے خطاب سے ملقب کیا۔ اس نے یہ خدمت بخوشی منظور کی اور بڑی تندہی سے اس کی انجام دہی کرتا رہا۔ میں بھی اس کی محنت کی قدر کرتا تھا اور اپنی عنایتوں کا اس کو مستحق سمجھتا تھا۔ شروع روز سے آج کے روز تک اس سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی' البتہ ایک خطا کی تھی جس کا ذکر آئندہ موقع پر آئے گا۔

(۶۳)

خواجہ سرا ریحان

محمد معتمد علی خاں خواجہ سرا نے ریحان نام کے ایک شخص کو لا کر اس کی سفارش کی۔ میں نے بخوشی اس کی درخواست منظور کر لی اور نوکر رکھا اور اخبار نویسی کی خدمت پر مامور کیا گیا۔

یہ شخص پہلے سیف الدولہ میر ہادی کی زوجہ کے ہاں خواجہ سرا کی خدمت پر نوکر تھا۔ یہ حبشی نسل کا دبلا پتلا منکسر المزاج اور کم سخن شخص تھا' جس میں غرور نام کو بھی نہیں تھا۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ میں نے محمد ریحان علی خاں کا خطاب عنایت کیا۔ وہ اپنی

خدمت نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتا تھا' جس کی وجہ سے وہ الطاف سلطانی کا مستحق ہوا۔

(۶۴)

ترک سوارنیاں

محمد معتمد علی خاں کے ذریعہ سے ایک شخص حاجی شریف نامی میرے ہاں ملازم ہوا۔ یہ شخص اس سے قبل سیف الدولہ میر ہادی کی سرکار میں خواجہ سرا کی خدمت پر مامور تھا۔ اس کی عمر بھی تقریباً چالیس سال کی تھی۔ بڑا نیک اور صلح جو آدمی تھا' کبھی کوئی ایسا کام نہ کیا جو میری طبیعت کے خلاف ہو' میں جو کہتا فوراً تعمیل کر دیتا۔ حاجی محمد شریف علی خاں کا خطاب دے کر زنان خانہ کے داروغہ کی خدمت اسے عطا کی گئی۔ اس نے اپنا کام نہایت تندہی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

اس زمانہ میں میری خواہش تھی کہ اپنے گھر پر سپاہیوں کا پہرہ مقرر کروں لیکن محدود آمدنی اور بے پناہ مصارف کی وجہ سے مجبور تھا۔ نیز والدِ ماجد کی ممانعت بھی تھی۔ آخر مجبوراً تمیں عورتوں کو زنان خانہ کی چوکی کے لیے ملازم رکھا گیا۔ ان عورتوں کو روزانہ فارسی زبان میں قواعد کی تعلیم کا انتظام بھی کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں وہ ایسی ماہر اور قواعد داں ہو گئیں کہ انگریزی قواعد بھی میری نظر میں بے وقعت ہو گئی۔ ہر ایک عورت لباس کی تزئین اور اسلحہ کی صفائی میں انگریزی فوج کی مدِ مقابل ہو گئی۔ اس کے علاوہ پچاس ترک سوار بھی میں نے نوکر رکھے تھے۔ انہیں بھی فارسی میں مذکورہ سپاہی عورتوں کی تعلیم قواعد دی جاتی تھی۔ ترک سواروں کا یہ دستہ بھی انگریزی فوج سے بدرجہا بہتر تھا۔ حاجی محمد شریف علی خاں کو ان دونوں دستوں کا افسرِ اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا اور ساتھ ہی جانباز سرکار مرزا ولی عہد بہادر کرنیل حاجی محمد شریف علی خاں کا خطاب دے کر اسے ممتاز کیا گیا۔ حقیقت میں کرنیل مذکور بڑی جانفشانی اور کوشش سے قواعد کی تعلیم دیتا رہا۔ قواعد کے گھوڑوں کو دیکھنے

سے معلوم ہوتا تھا کہ لوہے کی کوئی دیوار ایستادہ ہے۔ اس شخص نے سپاہیوں سے کبھی ایک پیسہ بھی رشوت کا نہیں لیا۔ اس کا رعب وداب بھی ایسا تھا کہ قواعد کے دوران کیا مجال کہ ایک سپاہی دوسرے سپاہی سے بات کرے۔

(۶۵)

عتباتِ عالیات

والد ماجد حضرت جنت مکان نے محمد بشیر علی خاں اور فیروز علی خاں کے علاوہ ایک اور خواجہ سرا مسمی بلال بھی عنایت فرمایا تھا جو فی الحال کسی کام پر مامور نہ تھا۔ ایک روز مسمی مذکور نے عرضی پیش کی جس میں زیاراتِ عتباتِ عالیات کے لیے رخصت کا خواستگار ہوا۔ میں نے عرضی منظور کی اور زادِ سفر کے لیے نقد دو ہزار روپے بھی عنایت کیے۔ اس کے بعد اطلاع ملی کہ یاسمن پری، ماہ رخ پری اور سردار پری بھی زیارت کے لیے رو رہی ہیں۔ میں نے چونکہ ان پریوں کو بڑی جستجو اور خرابی کے بعد حاصل کیا تھا اس لیے ان کو دور دراز سفر پر بھیجنے کے لیے تیار نہ تھا اور مجھے یقین نہ آتا تھا کہ ان عورتوں کی ایسی تمنا کیوں لیکن جب میں نے ان کو اپنے سامنے طلب کر کے پوچھا تو یقین ہو گیا۔ ان کی اس بے وفائی سے مجھے بڑا دکھ ہوا اور ہر ایک سے میں نے ان کی بیوفائی کا تذکرہ کیا۔ آخر مجھے بڑا غصہ آیا اور ان کی سکونت کے لیے ایک الگ مکان تجویز کیا اور ان کو اپنے سامنے کبھی نہ آنے دیا لیکن اس کا مجھے بڑا رنج تھا۔

اس دوران میں بلال خواجہ سرا حج و زیارت سے مشرف ہو کر واپس آ گیا۔ چھ ماہ کے بعد دوبارہ کربلائے معلی جانے کی درخواست کی۔ میں نے اس کی یہ درخواست بھی بخوشی منظور کی اور اس دفعہ بھی دو ہزار روپے کی رقم عنایت کی۔ ساتھ ہی ان تینوں پریوں کو بھی کربلائے معلی جانے کی خوشی سے اجازت دے دی اور سفر خرچ کے لیے چار ہزار روپے دیے۔ یہ اس لیے کیا کہ اب ان کو گھر میں رکھنا دانشمندی کے خلاف تھا لیکن خدا معلوم ان

کے دل میں کیا آیا کہ جانے میں پس و پیش کیا۔ ظاہر میں اس کا یہ سبب معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ وہ اپنے اسی ارادے کے باعث میری معتوب ہوئی تھیں اس لیے اب وہ کربلائے معلیٰ جاتے ہوئے ہچکچاتی ہیں۔ آخر کار اس دفعہ بھی بلال خواجہ سرا اکیلا ہی روانہ ہوا۔ اس روز کے بعد سے ان تینوں پریوں سے مجھے بڑی نفرت پیدا ہوگئی اور ان کی عزت و توقیر پہلے کی طرح نہ رہی۔ ظاہر ہے اب ان سے ربطِ محبت قطع کرنا ناگزیر تھا۔ بعد میں انہوں نے مختلف قسم کے ہتھکنڈے مجھے پھانسنے کے اختیار کیے لیکن میں ہر دفعہ چوکنا ہی رہا اور کسی قیمت پر بھی انہیں قبول کرنے پر تیار نہ ہوا۔ صرف اتنا تھا کہ وہ تعلیم خانہ میں تعلیم دینے کی غرض سے آتی تھیں۔ ان کا رتبہ دوسری پریوں سے کم تو نہ تھا لیکن میں ان پر کبھی التفات نہ کرتا تھا' اور ان کی بے وفائی ان کی صورت دیکھتے ہی یاد آ جاتی تھی۔

یہ یاسمن پری وہی تھی جس سے بے پناہ محبت اور والہانہ الفت اور اس کے فراق میں گریہ کناں ہونے کی روداد میں پہلے قلم بند کر چکا ہوں۔ غضب خدا کا کہ اس کا اب یہ حال ہوگیا۔

سردار پری اس وقت ابھی تیرہ سال کے سن میں تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ دوسروں کے بہکاوے میں آ گئی ہے اور میرا یہ خیال کچھ غلط نہ تھا۔ وہ بالکل بے قصور تھی۔ اس وقت وہ دنیاوی معاملات سے قطعاً ناواقف تھی اور مردوں کی صورت سے بھاگتی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ جب وہ مجھ سے مانوس ہو جائے گی اور سنِ شعور کو پہنچے گی تو میری والا و شیفتہ ہو جائے گی لیکن ماہ رخ پری اور یاسمن پری سے بے حد نفرت ہوگئی۔ اگرچہ یہ عورتیں جوان و خوبصورت تھیں اور بہ رضا و رغبت میرے گھر پڑی تھیں لیکن یہ ماضی کی باتیں ہیں۔ ماہ رخ پری میری محبت میں کیسی دیوانی ہوگئی تھی اور اپنے ایک رشتہ دار کو کیسا سخت جواب دیا تھا جس کی بنا پر اس نے راضی نامہ لکھ دیا تھا لیکن اب وہی عورت اپنی تلون مزاجی کے باعث اس نوبت کو پہنچی۔

(٦٦)

نورافشاں پری

نواب خاص محل صاحبہ کے حسنِ توسط سے اسی زمانہ میں ایک عورت آئی اور میرے گھر پڑی۔ نورافشاں پری کا اس کو خطاب بخشا گیا۔ پھر مجھ سے اجازت لے کر زیارتِ عتباتِ عالیات کو روانہ ہوئی۔

(٦٧)

مصاحب اور مذہب امامیہ

رفتہ رفتہ چونکہ میرے تعلقات اور رابطۂ اتحاد امامن کے رشتہ داروں غلام رضا وغیرہ سے بڑھتے ہی جاتے تھے اور یہ تمام مذہب سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے اس کے علاوہ میرے استاد قطب علی خاں بھی اسی فرقہ سے متعلق تھے اس لیے شب و روز میں اسی فکر میں رہتا کہ یہ لوگ بھی اگر میرا مذہب اختیار کر لیں تو نہایت خوشی کا باعث ہے۔ بعض وقت میں ان لوگوں کا رجحان معلوم کرنے کی کوشش کرتا تو محسوس ہوتا کہ یہ اپنے مذہبی معتقدات پر سختی سے پابند ہیں جنہیں ترک کرنا نہیں چاہتے۔

برسات کا موسم تھا۔ ایک روز میں نے نہایت عاجزی اور خوشامد سے اور کچھ لالچ دے کر انہیں اپنا مذہب بدلنے کے لیے کہا۔ شاید خدا کی مرضی تھی کہ یہ کارِ خیر میرے ہاتھوں سے انجام کو پہنچے۔ سارے لوگوں نے میری بات مان لی پھر اسی وقت میں نے سواری کا انتظام کر کے ان کو مجتہدِ وقت سلطان العلماء مولوی سید محمد کی خدمتِ بابرکت میں روانہ کر دیا۔ وہاں جا کر یہ سب لوگ صدقِ دل سے مذہب امامیہ میں داخل ہو گئے اور آتے ہوئے اپنے ساتھ سلطان العلماء کا خط بھی لائے جو ان لوگوں کے دینِ مبین سے مشرف ہونے کے متعلق تھا۔ جب میں نے یہ خط دیکھا تو مجھے بڑی خوشی ہوئی اور سب کو خلعتوں خطابوں

سے مشرف فرمایا۔ خطابات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

قطب علی خاں کو غلام یداللہ خاں

نھو خاں پدر غلام رضا خاں کو غلام علی خاں

گھمن خاں برادر نسبتی غلام رضا خاں کو غلام حسن خاں

پھر ان لوگوں نے بھی قول دیا کہ ہم حضور والا کے غلام ہو گئے اور متوقع ہیں کہ تاحیات آپ کے قدموں سے الگ نہ ہوں۔ میں نے اسی وقت یہ الفاظ سنتے ہی اپنے سینہ پر ہاتھ رکھا' جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ چنانچہ ہر وقت میں ان کا سب سے زیادہ لحاظ رکھتا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کی پاسداری میں اب تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔ جزاکم اللہ فی الدارین خیرا.

(۶۸)

مصاحبوں کا امتحان

ایک روز میں ''حضرت باغ'' میں تھا' ہر طرف بارانِ رحمت آب پاشی کر رہا تھا۔ رنگ برنگے پھول کھلے تھے' گل شبو کا تختہ اپنی عطر بیز خوشبوؤں سے مشامِ جان کو معطر کر رہا تھا' دو ایک گھڑی دن باقی تھا۔ میں ''بنگلۂ فلک سیر'' میں بیٹھا ہوا تھا۔ مصاحبینِ خاص و رفیقانِ اختصاص یعنی غلام رضا خاں' ججو خاں' ثابت علی خاں' غلام یداللہ خاں وغیرہ حاضر تھے۔ ہر آدمی رنگین حکایات و دلچسپ واقعات و پرلطف لطیفوں سے میرا دل بہلا رہا تھا۔ ادھر میرے دل میں خیال آیا کہ یہ وقت اچھا ہے' اس وقت ان لوگوں کی جاں نثاری کا امتحان لینا چاہیے۔ یہ سوچ کر ایک آدمی کو قریب بلایا اور اس کے کان میں چپکے سے کہا کہ ''ایک بہروپیا کو میرے پاس بھیج دے' جو ظاہر میں زخمی معلوم ہوتا ہو اور ننگی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے ہو۔ تو خاموش تماشا دیکھتا رہ' مجھے یہ دیکھنا ہے کہ یہ لوگ کتنے جاں نثار ہیں۔'' یہ حکم سن کر وہ آدمی روانہ ہو گیا' کچھ دیر بعد بہروپیا ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے زینے کے

راستہ اوپر برآمد ہوا اور اس کے جسم سے خون جاری تھا۔ آتے ہی اس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں بناوٹ سے کام لے کر ہراساں و پریشان ہو گیا۔ میری جو یہ حالت دیکھی تو غلام رضا خاں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور جھجو خاں نے اس کی کمر پکڑی اور چاہتا تھا کہ اسی کی تلوار سے اس کا خاتمہ کر دے۔ میں نے جب ان کے یہ تیور دیکھے تو گھبرا کر کہا۔
''ٹھہرو ٹھہرو! یہ بہروپیا ہے اسے ہرگز نہ مارو۔'' ادھر بہروپیا بھی چیخنے لگا کہ میں نقال ہوں۔ یہ سن کر ان لوگوں نے اس کو فوراً چھوڑ دیا۔ بعد میں دیکھا کہ بہروپیا کو اس کشمکش میں شدید قسم کے زخم آ گئے تھے۔ میں نے بہروپیا کو معقول انعام دیا اور اسی وقت نوکر بھی رکھ لیا اور ان جاں نثاروں کو پانچ پانچ سو روپے انعام عنایت کیا۔ نیز ہر ایک کو ایک ایک شمشیر، ایک ایک سپر اور ایک ایک سات ضربی طمنچہ اور ایک ایک بندوق بھی دی۔ اس کے علاوہ مصاحبانِ خاص و جوانانِ پہرہ کا خطاب مرحمت فرمایا اور انہیں اپنے بسترِ استراحت کے پہرے کی خدمت پر فائز کیا۔ اس روز کے بعد سے جب میں استراحت کے لیے کمرۂ استراحت میں جاتا ''مصاحبانِ خاص'' پہرہ دیتے' اگر میں کبھی محل میں سوتا تو بطورِ خاص وہاں مردانہ ہوتا اور وہاں بھی ''مصاحبانِ خاص'' ہی کا پہرہ لگا دیا جاتا۔

(۷۹)

مرزا برجیس قدر کی پیدائش

اسی مسرت آگیں زمانہ کی بات ہے کہ ایک روز قاصدِ لیل و نہار نے ایک گلِ تازہ کی آمد کا مژدہ سنایا اور میرے کانوں میں یہ خبر فرحت اثر پہنچائی کہ مہک پری حمل سے ہے۔ میں نے یہ خبر سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور مہک پری کو پردے میں بٹھایا اور اس کو افتخار النساء کے خطاب سے ملقب کیا۔ ایامِ حمل گزرنے کے بعد لختِ جگر فرزندِ ارجمند تولد ہوا۔ اس کے دادا نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور گیارہ توپ کی سلامی دلوائی اور لڑکے کو مرزا برجیس قدر بہادر کا خطاب عنایت کیا۔ ادھر میں نے ایک جشن کا اہتمام کیا۔ مہ ذی شان

شیریں ادا نے رقص و سرود کا خوب مظاہرہ کیا۔ اس جشن میں ہر ایک پری نے اپنے آپ کو دلہن کی طرح سجایا۔ جب پریاں ناچتی تھیں تو ان کی ایک ایک گت پر واہ واہ کی آواز بلند ہوتی تھی۔

(۷۰)

جہاں آرا بیگم کی پیدائش

پھر ایک اور خوش خبری میرے گوش گزار ہوئی کہ فضہ جبین کے حاملہ ہونے کی اطلاع ملی۔ میں نے فوراً درگاہ باری تعالیٰ میں سجدہ شکر ادا کیا اور فضہ جبین کو پردے میں بٹھا دیا۔ حمل کی مدت گزرنے کے بعد گوہر مراد پیدا ہوئی۔ حضرت جنت مکاں یعنی لڑکی کے دادا نے جہاں آرا بیگم صاحبہ اس کا نام تجویز فرمایا۔ طال اللہ عمرہ۔

(۷۱)

یاسمن پری اور سرفراز پری کا ایک واقعہ

ایک وقت یاسمن پری اور سرفراز پری کے متعلق یہ گمان ہوا کہ انہیں حمل قرار پایا ہے اور میں نے قاعدے کے مطابق ان کا پردہ کروا دیا لیکن چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ یہ محض گمان تھا۔ پھر ان کا پردہ توڑ کر باہر لایا گیا اور وہ رقص و سرود کی تعلیم میں مصروف ہوئیں۔

(۷۲)

حور پری کی تریاہٹ

اس کے بعد خبر ملی کہ حور پری حاملہ ہے۔ اس خبر سے مجھے بڑی خوشی ہوئی لیکن چونکہ ایک دفعہ یاسمن پری اور سرفراز پری کے سلسلہ میں زک اٹھا چکا تھا اس لیے کچھ زیادہ

یقین نہ کیا۔ پانچ مہینے کے بعد اس کو پردے میں بٹھایا گیا لیکن اس عورت کو پردے میں بیٹھنا ہرگز گوارا نہ تھا۔ میں بہت کچھ اسے سمجھاتا تھا لیکن وہ ہر وقت روتی رہتی تھی۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید میری مفارقت کو برداشت نہیں کر سکتی لیکن یہ میرا محض خیال تھا۔ ہر طرح میں تسلی دلاسہ دیتا لیکن وہ منہ پھٹ ہو کر کہتی کہ میں کسی طور بھی پردہ نہیں کروں گی۔ اگر مجھ کو اسی طرح مجبور کیا گیا تو میں حمل گرانے سے بھی دریغ نہ کروں گی۔ میں نے یہ سن کر جواب دیا کہ ناحق کسی کی جان لینا بہت بڑا گناہ ہے۔ غرض کہ سات ماہ کے بعد ہی وضع حمل ہوا اور لڑکا پیدا ہوا لیکن افسوس کہ صرف چالیس روز زندہ رہ کر وہ فوت ہو گیا۔ میں نے حور پری کو خلعتِ ماتم دے کر ناچ گانے کی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے دی لیکن یہ بظاہر وہ مردوں کے سامنے آتے ہوئے روتی تھی اور اندر ہی اندر باہر آنے کے لیے مری جاتی تھی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

(۷۳)

حیدری کا حاملہ ہونا

داروغہ نجم النساء بیگم نے انتقال کرتے وقت دو کنیزیں اپنے پیچھے چھوڑی تھیں۔ ان میں سے میں نے ایک کا نام ممن اور ایک کا نام حیدری تجویز کیا۔ ممن کو غلام حیدر کے عقد میں دے دیا اور حیدری کو خود اپنے خواصوں میں شامل کر لیا۔ چند روز کے بعد اس کے حمل ٹھہرا۔ مجھے سخت تعجب ہوا اور غصہ سے بھرا ہوا کوڑا ہاتھ میں لے کر حقیقت حال معلوم کرنا چاہی لیکن وہ مختلف لوگوں کے نام بتاتی تھی۔ جب میں نے اس کو ڈرایا کہ اگر صحیح صحیح نہ بتایا تو اس کوڑے سے درگت بناؤں گا۔ تو اس نے جرم کا اقبال کیا اور کہا کہ مجھے ثابت علی خاں سے حمل ہے۔ یہ بات میرے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ فوراً ان چاروں بھائیوں کو طلب کر کے پوچھا۔ وہ میرے قدموں میں گر گئے اور کہنے لگے کہ اگر اس کا ثبوت مل جائے کہ یہ فعل ہمارا ہے تو ہم حضور کے آگے اپنے سر کٹانے کو تیار ہیں۔ خدا جانے یہ کس کا حمل ہے۔

ہم پر سراسر یہ بہتان ہے۔ اتنا کچھ ہنگامہ ہونے اور ان چاروں بھائیوں کے رونے پیٹنے کے بعد یہ طے ہوا کہ یہ آتشِ فساد حیدری کو نکال دینے کے بعد ہی فرو ہو سکتی ہے۔ اس کا ایک بھائی حیدر میرے ہاں فراشوں کے زمرے میں ملازم تھا اور اسے داروغہ نجم النساء بیگم نے گود لے لیا تھا' میں نے حیدری کو اس کے حوالے کر دیا اور ان چاروں کا قصور معاف کیا۔

(۷۴)

بلقیس پری

نواب خاص محل صاحبہ کے کہنے سے ایک عورت کو میں نے گھر ڈال لیا اور پریوں کے زمرے میں داخل کر کے بلقیس پری کا خطاب عنایت کیا لیکن وہ بڑی بدطینت عورت تھی۔ ایک روز موقع پا کر مرزا فلک قدر بہادر کے چاندی سونے کے تعویذ' جو کہ نواب خاص محل صاحبہ نے جان کی حفاظت کے لیے گلے میں ڈال رکھے تھے' چرا لئے۔ اس نازیبا فعل کی وجہ سے بڑی ذلت سے نکالی گئی۔ اگرچہ اسے میری سرکار سے معقول تنخواہ ملتی تھی لیکن وہ اپنی بدعادت سے باز نہ آئی اور ذلیل ہو کر نکلی۔ بعد میں سنا ہے کہ وہ میرے کسی محل کے پاس نوکر ہے۔

(۷۵)

سرفراز پری سے عشق

جس وقت سرفراز پری میرے گھر پڑی۔ میں اس کے تیغ ابرو کا گھائل ہو گیا۔ ہر لمحہ اس کا ناوک مژگاں میرے دل میں اترا ہوا تھا۔ اس کی ہر ادا پر غم کی سل اپنے سینہ پر رکھے رہتا۔ جہاں اس نے کچھ ناز و غمزہ دکھایا وہاں مجھے ہزار طرح رنج کھینچنے پڑتے تھے۔ جب وہ رقص کرتی تو میں رو پڑتا۔ جب وہ گاتی تو میں اپنا سر پھوڑا کے بیٹھ جاتا۔ جس وقت وہ حصول تعلیم میں مشغول ہوتی تو میں اس کی دل ستاں اداؤں میں کھو جاتا۔ وہ سوتی رہتی

میں جاگتا رہتا اور جب جاگتی تو میری قدر کرنے کے بجائے ناانصافی کا سلوک کرتی اور کہتی کہ آپ تو فلاں کو چاہتے ہیں' فلاں سے زیادہ عشق کرتے ہیں۔ میں رات رات بھر اس کے پاؤں دبایا کرتا۔ تمام دن صرف اسی کوتا کا کرتا۔ اگر وہ کوئی معمولی سی چیز بھی کھاتے کھاتے مجھے دے دیتی تو میں بلا پس و پیش اسے کھالیتا۔ جس طرف جاتی میں بھی اسی طرف ہو لیتا۔ اگر کہیں وہ بیٹھی رہتی تو میں کھڑا رہتا۔ غرض کہ اس نے مجھے اپنا عاشق بنالیا تھا۔ دن بھر میں وہ کئی مرتبہ طرح طرح کے لباس تبدیل کرتی تھی۔ ہر وقت عطرِ حنا میں بسی ہوئی' دانتوں میں مسی کی دھڑی' ہونٹوں پر پان کی لالی' اور ماتھے پر افشاں چنی ہوتی تھی۔ اپنے بال کبھی وہ گھونگروالے اور کبھی سیدھے بنائے رکھتی تھی۔ ہاتھوں میں مہندی لگی ہوتی اور انگلیوں میں خوبصورت انگوٹھیاں۔

ایک روز داروغہ نجم النساء بیگم مرحومہ نواب خورد محل عمدہ بیگم صاحبہ اور نواب نشاط محل نخھی بیگم صاحبہ نے آپس میں اتفاق کر کے شہنشاہ منزل کے کمرے میں مجھے الگ بلایا۔ میں جب ان کے سامنے گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تینوں کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ میں نے کہا' کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔ اس کے بعد وہ تینوں میرے اور سرفراز پری کے تعشق کے سلسلہ میں باتیں کرنے لگیں' اور ساتھ ساتھ کچھ تاسف آمیز جملے بھی کہتی جاتی تھیں۔ وہ کبھی اپنے زانو پر ہاتھ مارتیں' کبھی اپنے ہونٹ دانتوں تلے دبالیتیں۔ بالآخر میں پریشان ہو گیا اور کہا کہ خدا کے لیے تم لوگ کیا کہنا چاہتی ہو جلد کہو تا کہ میرے دل کی بے چینی دور ہو۔ میں جلد سے جلد ان لوگوں کا مقصد معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اسی طرح پس و پیش کر رہی تھیں۔ آخر میں نے بیزار ہو کر اپنے سر کی قسم دی۔ اس کے بعد داروغہ نجم النساء بیگم مرحومہ نے یوں سلسلۂ کلام جاری کیا کہ اے جانِ عالم سرفراز پری پر تو آپ اس قدر جان دیتے ہیں' لیکن سرفراز پری کے متعلق عجیب و غریب افواہیں سنی جاتی ہیں۔ یہ سن کر میں نے کہا' آگے کچھ اور بھی تو بیان کرو' اس طرح ادھوری بات کہہ کر کیوں مجھے الجھن میں ڈالتی ہو۔ پھر داروغہ نجم النساء بیگم اور وہ دونوں محلات یک زبان ہو کر عرض کرنے لگیں کہ "اے جانِ عالم! ہم آپ پر صدقے

جائیں عورت میں فطرتاً کچھ نہ کچھ کمزوری ہوتی ہے ایسی ناکارجنس میں مروت نام کو بھی نہیں اگر آپ رنجیدہ نہ ہوں تو عرض کرتی ہوں کہ سرفراز پری ظاہر میں تو آپ سے بے انتہا محبت کرتی ہے' لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو اس کو آپ کی ذرا سی بھی پروانہیں۔'' یہ الفاظ جب میں نے سرفراز پری کے بارے میں سنے تو میرا رنگ فق ہو گیا اور دونوں ہاتھوں کو دل میں تھامے ہوئے تڑپنے لگا اور آبدیدہ ہو کر کہا کہ تم سب شاہد ہو کہ میں نے سرفراز پری کی پرستش میں کبھی کوتاہی نہیں کی' ایسی صورت میں آخر وہ کیوں مجھ سے بے وفائی پر آمادہ ہے؟ پھر یکا یک میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ساری محلات چونکہ سرفراز پری سے حسد کرتی ہیں' کیا تعجب کہ یہ محض اس پر اتہام ہو لہٰذا میں نے خود انہیں سے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ مجھے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے؟ ان لوگوں نے کہا ''چند روز آپ تامل فرمائیں' ہم انشاءاللہ اس کی ساری بے وفائی کے سلوک آپ کو دکھادیں گے۔''

ایک روز میں نے تمام پریوں کو اکٹھا کیا اور دست بستہ ہو کر عرض کیا ''اے میری ہم نشینو! میں نے تم میں سے کسی کو بھی زبردستی اپنے گھر میں نہیں رکھا' کوئی میرے عشق میں مبتلا ہو کر آئی ہے' کوئی مجھے خواب میں دیکھ کر فریفتہ ہوئی ہے' کسی نے مجھے بازار سے گزرتے ہوئے دیکھ کر دل پر چوٹ کھائی ہے اور کسی نے خود میرے گھر میں مجھ سے اپنی محبت کا آغاز کیا ہے' کسی نے رقص میں اپنے کو کھو دیا ہے اور کوئی گانے بجانے میں سب کچھ بھول بیٹھی ہے لیکن چند روز سے بڑی پریشان کن خبریں سننے میں آ رہی ہیں۔ خدانخواستہ ایسی صورت نہ پیدا ہو کہ میں تصویرِ حسرت بن کر رہ جاؤں۔'' بس یہ چند جملے میں نے کہے اور اس کے ساتھ ہی بے اختیار ہو کر رونے لگا اور سرفراز پری کی طرف منہ کر کے کہا ''خدا جانتا ہے کہ میری ہر راحت تمہارے اختیار میں ہے' میں نے تمہیں قید کر کے نہیں رکھا ہے تمہارا جو جی چاہے وہ تم کر سکتی ہو' میں تمہاری ہر تمنا پوری کرنے کو تیار ہوں' تمہاری جو خواہش ہو بے تامل ظاہر کرو' میں اس کو پورا کروں گا' مختصر یہ کہ میں تم سب محلات کا تابع ہوں لیکن خدا کے لیے کوئی ایسی حرکت نہ کرنا' جس سے نمک حرامی کا داغ تمہارے دامنوں پر نمایاں

ہو۔" یہ تقریر سن کر سب عورتیں قسمیں کھانے لگیں اور یوں گویا ہوئیں کہ "ہماری آنکھیں پھوٹ جائیں جو ہم نے تمہاری خوشنودیٔ خاطر کے علاوہ کوئی اور کام کیا ہو۔" خاص کر سرفراز پری اور حور پری سب سے زیادہ قسمیں کھا رہی تھیں۔ میرے آنسو تھمتے ہی نہ تھے۔ آخر میرے دل میں سلگتی ہوئی آگ بجھ گئی لیکن فکرمند رہا۔

(۷۶)

مصاحبینِ خاص کا اجتماع

مذکورہ واقعہ سے میں بہت متاثر تھا' ہر وقت دل پر ایک غبارِ الم چھایا رہتا تھا۔ ایک روز میں نے اسی پیچ و تاب کے عالم میں شہنشاہ منزل میں تمام مصاحبوں اور محلات کو طلب کیا اور اپنے دل کی کل کیفیت ان سب کے سامنے بیان کر دی۔ داروغہ نجم النساء بیگم اور دوسری دو محلات کے اس انکشاف کے بعد مجھ سے ضبط نہیں ہوتا تھا۔ میری گفتگو سن کر تمام لوگوں نے گندی گندی قسمیں کھائیں اور کہنے لگیں کہ "سرکار والا تبار! محض سنی سنائی باتوں پر ہمارے متعلق بدگمانی درست نہیں ہے۔ ہم اپنے سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈالنے میں ہرگز دریغ نہ کریں گے۔" میں نے پھر کہا "عزت و توقیر خدا کی دین ہے۔ ایسی صورت میں یہ نہ ہو کہ تمہاری پیشانیوں سے کوئی داغ عیاں ہو۔ اگر ایسا ہوگا' تو یہ عین نمک حرامی ہوگی۔" جب سب نے پوچھا کہ اس قسم کی آپ کو اطلاع دینے والا کون ہے تو میں نے نہایت صفائی سے ان محلات کا اور داروغہ نجم النساء بیگم کا نام ظاہر کر دیا۔ اس روز کے بعد سے ان لوگوں میں کافی ٹھنی رہتی ہے اور مرتے دم تک آپس کی یہ چپقلش دور نہ ہوئی۔

ان لوگوں کے انکار کے بعد میں نے سب کا قصور معاف کیا لیکن میرے دل سے اس کی کھٹک نہ گئی۔ افسوس کہ میں نے کچھ دن اور صبر سے کام نہ لیا ورنہ کیا عجب کہ میں اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیتا۔

(۷۷)

میر احمد علی اور میر گوہر علی

اسی زمانہ میں میر احمد علی مرثیہ خواں اور اس کا فرزند میر گوہر علی میری سرکار میں آ کر ملازم ہوئے۔ یہ دونوں شخص دُھرپد کا راگ گانے میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ گوہر علی چونکہ موسیقی میں میرا شاگرد بھی تھا اس لیے میری سرکار میں وہ معتزز اور بارسوخ ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ سب سے زیادہ میری صحبت میں اٹھنے بیٹھنے لگا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں خلوت میں ہوں کہ جلوت میں وہ بے دھڑک باریاب ہو جاتا۔ اسے کوئی روک ٹوک نہ تھی اور اسے جو کچھ کہنا ہوتا وہ صاف کہہ دیتا تھا اور میں اس کی ہر عرض کو فوراً قبول کر لیتا تھا۔ ایک روز اس نے ایک عرضداشت تحریر کر کے میرے ملاحظہ پیش کی۔ اس کے الفاظ یہ تھے:

> ''جہاں پناہ! آستاں بوسی کے بعد عرض کرتا ہوں کہ پریوں کے حالات خانہ زاد سے دیکھے نہیں جاتے ہیں۔ متوقع ہوں کہ حضورِ والا دریافتِ حال میں تاخیر نہ فرمائیں گے۔ اس کے بعد خود اعلیٰ حضرت پر سارے واقعات ظاہر ہو جائیں گے۔''

یہ عرضی پڑھ کر مجھے بڑا غصہ آیا کہ پریاں اس قدر زبردست تردید اور معذرت کے بعد پھر انہی حرکتوں پر اتر آئی ہیں۔ غرض کہ میرے دل پر جو پرانا داغ تھا وہ پھر سے تازہ ہو گیا۔ پریوں اور مصاحبوں کے اجتماع میں، جس میں گوہر علی بھی موجود تھا، میں نے سب کو مخاطب کر کے بڑی ملامت کی لیکن ان لوگوں نے توبہ کی اور سر پیٹنے لگیں۔ سرفراز پری اور حور پری نے عرض کیا ''اگر ایسا کوئی آدمی ہے جو حضور کی نمک حرامی کرتے ہوئے ہمیں دیکھے تو وہیں ہمارا ہاتھ پکڑ کر دکھا دے، تب ہم اپنا قصور تسلیم کریں گے، جب تک کہ حضور خود اپنی آنکھوں سے ہماری کوئی نازیبا حرکت ملاحظہ نہ فرمائیں کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ہمارے قصور ثابت کرنے کا مدعی ہو تو اس کو چاہیے کہ اعلیٰ حضرت کو بھی مشاہدہ کرائے۔'' یہ تقریر سن کر میں خاموش ہو گیا۔ آخر میں نے گوہر علی کو اسی بنا پر نوکری سے نکال

دیا کہ ممکن ہے اس سلسلہ میں وہ کوئی چال چل رہا ہو لیکن پھر بھی میری تشفی نہ ہوتی تھی اور طرح طرح کے خیالات اور اندیشے میری جان کھائے جاتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں چند روز بعد خفقان کا مریض ہو گیا اور بعض وقت دن دن بھر اختلاج سے میرا دل دھڑکتا رہتا تھا لیکن چونکہ ابھی عنفوانِ شباب کا زمانہ تھا' اس کے علاوہ پریوں کے ناچ گانے میں طبیعت بہل جاتی تھی' اس لیے اس مرض کے اثرات کم ہوئے۔ پھر بھی دل بڑا اداس اداس سا رہتا تھا اس لیے کہ ایسا کوئی رفیق ہی نہ تھا جس سے میں اپنا حالِ دل کہہ کر دل کا بخار نکالتا۔ جن مردوں کو میں نے اپنا رفیق سمجھا تھا' وہ ایسے نکلے' ہمدم و مونس عورتوں کا یہ حال۔ ماں باپ تو کبھی پوچھتے بھی نہ تھے۔ محلات ایسے کہ ان سے شرم آتی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں اس زمانہ میں میں اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ اٹھنا بیٹھنا بھی میرے لیے دوبھر تھا۔ بیٹھے بیٹھے نماز ادا کرتا تھا۔ مسلسل تین مرتبہ ایسا بیمار پڑا کہ کامل چھ ماہ تک اٹھ نہ سکا۔ اللہ رحم کرے۔

(۷۸)

معشوقِ خاص سے عشق

سرفراز پری کی بے وفائی جب انتہا کو پہنچ گئی تو اس سے میرا ولولۂ عشق بھی کم ہونے لگا اور اس کا اتنا زبردست صدمہ تھا کہ میں پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگا۔ کبھی جنگل کی طرف نکل جاتا تو کبھی دریا کی سیر کو چل پڑتا۔ غرض کہ عجیب عجیب وسوسے میرے دل میں پیدا ہوتے تھے اور میں اسی حزن و ملال کے عالم میں گھر واپس ہوتا' تنہائی میں اس بے وفا کو یاد کر کے کڑھتا اور کبھی اپنی صورت آئینہ میں پہروں دیکھا کرتا۔

ایک روز رشک پری نے میری اندرونی حالت کو محسوس کر کے اظہارِ تاسف کیا۔ اس عورت نے میری بڑی خدمت کی ہے' خدا اس کو اچھا رکھے۔ وہ یوں گویا ہوئی' "جانِ عالم! میں آپ پر تصدق جاؤں۔ آخر آپ کس بات پر اس درجہ ملول ہیں؟" میں نے جواباً کہا" "اے معشوقۂ باوفا! سرفراز پری نے میرے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے وہ تم جانتی ہی

ہو۔ تم کو اگر اس کے اصلی اسباب کا علم ہو تو مجھے بتاؤ تا کہ میرے دل کی خلش دور ہو۔'' اس نے ایک زور کا قہقہہ لگا کر کہا'' اے میرے نادان! میں اس مکار عورت کے سارے مکر جانتی ہوں۔ لیکن آپ کو چاہیے کہ اس قدر رنج نہ اٹھائیں۔ اپنی روح کو تازہ گلاب کی طرح شگفتہ و تازہ رکھنا چاہیے۔ خدا نے چاہا تو اس کی ساری فریب کاریاں ایک روز آپ کو دکھا دوں گی۔'' پھر میں نے کہا'' اے معشوقۂ باوفا! جو کچھ جانتی ہو اس وقت بتا دو۔'' اس پر اس نے سرفراز پری کے وہی واقعات سنائے جو اس سے قبل میرے گوش گزار ہو چکے تھے۔ اس بیان سے مجھے اور زیادہ تکلیف ہوئی کہ یا اللہ آخر ماجرا کیا ہے۔ سامنے تو شیفتگی اور پیچھے ایسی بے وفائی!! اسی صحبت میں رشک پری سے میں نے ایک ایک پری کے حالات دریافت کئے۔ اس نے ایسے ایسے واقعات سنانا شروع کیے کہ میں دنگ رہ گیا اور اسی وقت سے تمام پریوں سے مجھے نفرت ہونے لگی اور معشوقۂ خاص رشک پری سے دل بستگی پیدا ہو گئی۔ چونکہ اب وہ میری مونس و شفیق پری تھی اس لیے ہر بار میں اس سے صرف اسی موضوع پر گفتگو کرتا تھا۔

اس میں شک نہیں بعض اوقات وہ رشک و حسد کی بنا پر آپے سے باہر ہو کر سرفراز پری اور دیگر پریوں کی شکایتیں کرتی تھی لیکن پھر بھی اس کی محبت کا جادو مجھ پر چل چکا تھا اور اس کے ایک ایک جملہ پر میں سو سو بار قربان ہونے لگا۔ یہاں تک کہ میں اس کی بلائیں تک لیتا تھا اور اس سے کہہ رکھا تھا کہ'' اے معشوقۂ خاص یہ راز اگر تم مجھ پر ظاہر کر دو تو میں تمہارا بندۂ بے دام ہو کر رہ جاؤں گا۔'' چنانچہ اس نے وعدہ کیا کہ میں تمام حالات معلوم کر کے رہوں گی۔ اور اس کے بعد سے ہر ایک کی ٹوہ میں لگی رہی۔

(۷۹)

سرفراز پری کے حالات کا انکشاف

ایک رات دلدار پری میری صحبت میں تھی۔ تنہائی پا کر اس نے سرفراز پری کی

فریب کاریوں اور کج ادائیوں کا تذکرہ چھیڑا اور کہا ''اے جانِ عالم! آپ بھی بڑے نادان ہیں۔ عورتیں کچھ کا کچھ کر رہی ہیں اور آپ ان کے عشق میں غافل ہو گئے ہیں۔ خدا کے واسطے اب تو آنکھیں کھولیے اور دیکھیے کہ کیا ہو رہا ہے۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ آپ اپنے ہی گھر سے غافل ہیں اور مفت میں لاکھوں روپے برباد کر رہے ہیں۔ آپ اگر اوروں کی بجائے میری قربت حاصل کرتے تو ہرگز حالات یہ رخ نہ اختیار کرتے' آپ اپنی معشوقہ جفا پیشہ کو ابھی سمجھے نہیں ہیں۔''

یہ حقیقت ہے کہ دلدار پری ایک مریم صفت عورت ہے' فرشتہ خو' کم گفتار' راست گو' خوش نہاد' پاک باطن' صاف دل' پری تمثال' رشکِ شمشاد' سمن بر' رشکِ قمر' خوش خصال' ماہ تمثال' زہرہ جبیں' خجستہ آئین' حور بدن' گل پیرہن' سیم تن' سرو چمن' آئینہ جبیں' جس کے ہر انداز پر میں سو جان سے فدا تھا اور اس کی ہر شوخی میری رگِ جاں پر نشتر زنی کرتی تھی۔ میں نے جب دیکھا کہ ایسی پری پیکر میری طلب گار ہے تو اس کو میں نے فوراً قبول کر لیا لیکن ساتھ ہی زمانہ کی بے وفائی کا اثر بھی مجھ پر غالب تھا۔ جیسا کہ خود میرا ایک شعر ہے

یکایک عشق کیا نکلے کہ شہرِ حسن میں گھر ہے
فراق اس روح کو کیونکر گوارا ہوئے قالب کا

سرفراز پری کے غم میں میرا سینہ گویا چونے کی بھٹی کی مثال ہو گیا تھا۔ اس کی محبت ویسے کم ہوتی جا رہی تھی لیکن ایک خلش سی آٹھوں پہر دل میں رہتی تھی۔ ایک روز میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا اور شکایت آمیز انداز میں کہا ''اے جانِ جاں! خواہ مخواہ تو مجھے مبتلائے غم کیے ہوئے ہے۔ یہ کہاں کا طریقہ ہے کہ کسی کے دل کو اپنے عشق میں مبتلا کرے لیکن خود بے مروتی کا سلوک کرے؟ تیری اس نازیبا حرکت کا مجھے بڑا ملال ہے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ برائے خدا راہِ راست پر آ جا۔'' لیکن وہ اسی طرح قسمیں کھانے لگی اور اپنی بے گناہی اور مجھ سے بے پناہ محبت کا یقین دلانے لگی۔ اس گفتگو کے دوران میں وہ کبھی ہنس جاتی اور کبھی یکایک رو پڑتی۔ کبھی مجھ پر ہی الزام رکھتی کہ تم کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔ اچھا ہوا

کہ تم سزا کو پہنچے' کبھی ہاتھ بڑھا کر کسی پری کو پان کا بیڑا دیتی اور مجھ پر التفات نہ کرتی۔

ایک روز میں نے اس کے ہاتھ کی انگوٹھی اس سے مانگ لی اور دل میں ٹھان لیا کہ اس کو گرم کر کے اپنے جسم کو داغ لوں گا۔ جس وقت میں صبح کی نماز کے لیے اٹھا تو چاہا کہ حقہ کی چلم کی آگ میں انگوٹھی کو گرم کر کے اپنے جسم پر داغ لوں لیکن چونکہ انگوٹھی اس بے وفا عورت کی نشانی تھی۔ اس لیے یہ گوارا نہ ہوا کہ انگوٹھی کو گرم کروں۔ انگوٹھی کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر حقہ کی منہال کو خوب گرم کیا اور بائیں ران پر اس سے آٹھ جگہ داغ دیا لیکن پھر بھی میرے دل میں محبت کی جو آگ سلگی ہوئی تھی وہ بجھ نہ سکی۔ اس کے دو ایک روز بعد اس جفا پیشہ معشوقہ کے پاس جا کر کہا "اے ستم شعار حسینہ! میں نے دیکھ تیری محبت میں اپنا کیا حال بنا رکھا ہے۔" جب اس نے میری ران پر جلے ہوئے نشان دیکھے تو خوب ٹھٹھہ مار کر ہنسنے لگی اور میری ران کے زخموں کو چومنے لگی لیکن اس کی لاپروائی اور کج ادائی میں کوئی فرق نہ آیا۔

(۸۰)

عشق جفا پیشہ

کچھ زمانہ گزرا تھا کہ ایک روز وہ بے وفا' جفا جو' ظلم نہاد و ستم پیشہ عورت' جس کو اپنے حسن و جمال پر بے حد ناز تھا' کہنے لگی "اے جانِ عالم! او بے خبر انسان! تمہیں کچھ معلوم ہے کہ تمہارے عشق میں' میں نے بھی اپنی ران پر مضراب کا گل کھایا ہے۔ یہ کیفیت معلوم کر کے میں زار و قطار رونے لگا' اور میں نے بہ چشم خود دیکھا کہ اس کی ران واقعی تختۂ گل بنی ہوئی تھی۔ مجھے اس بات سے تعجب ہوا کہ ایک طرف تو اس کی بیوفائی کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف محبت کا یوں اظہار کرتی ہے۔ آخر اس کی دو رنگی محبت کا کیا مطلب ہے؟ مختصر یہ کہ میں نے اس کے زخموں کو بوسے دیے اور ان پر اپنی آنکھیں ملیں اور کہا کہ تم نے تو میری پوری نقل اتاری۔ اس پر اس نے کہا کہ یہ تمہارے گلوں سے بالکل الگ' فارسی کے اس مصرعہ کے مطابق ہیں:

نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اوّل

میں یہ سن کر خاموش ہو گیا بعد میں مجھے دلدار پری اور رشک پری سے معلوم ہوا کہ یہ گل محض دھوکہ دینے کے لیے کھائے گئے ہیں تاکہ آپ یہ سمجھ لیں کہ اس کو آپ سے بے انتہا محبت ہے۔ ان کوائف سے میں پھر ایک دریائے تفکر میں ڈوب گیا اور اپنا ہاتھ دانتوں سے کاٹنے لگا۔ لاکھ ضبط کیا لیکن نہ رہا گیا اور اس کے پاس جا کر کہا" اے بے مہر و بے وفا! تو خواہ مخواہ ڈھونگ رچا کر محبت کا دم بھرتی ہے۔ اے دغاباز! تو اپنے مکروفریب سے ابھی تک باز نہیں آئی۔" وہ ہنس کر کہنے لگی" کوئی اپنے جسم کو فضول داغ نہیں دیتا' یہ جذبۂ عشق ہی تھا جس کی بنا پر میں نے ایسا کیا۔" اس کی یہ تقریر بڑی پرتاثیر تھی اور اس میں اس کے عشق کے جذبات کارفرما تھے۔ لہٰذا میرا دل بھر آیا اور اپنا سر دروازے سے ٹکرانے لگا۔ وہ اگر مجھے پکڑ نہ لیتی تو میرا سر یقیناً پھٹ جاتا۔ غرض رات دن اس کے مکروفریب اور عشق و محبت کے درمیان میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا' اور اس ٹوہ میں تھا کہ اس کے درپردہ حالات کا مجھے کسی طرح علم ہو جائے۔

(۸۱)

دلدار پری کا اظہارِ عشق

دلدار پری بری طرح میری وارفتہ محبت تھی اور میں نے بھی اس کی ایسی ہی قدر دانی کی۔ انتہا یہ کہ اس کے بغیر کھانا پینا بھی حرام ہو گیا۔ اکثر اس کے زانوؤں پر سر رکھ کر سو جاتا لیکن جب معشوقۂ خاص اور سرفراز پری کے کمندِ زلف کا اسیر ہوا تو دلدار پری پر التفات کم ہو گیا لیکن وہ اپنے عشق کی زبردست دعوے دار تھی۔ ایک روز وہ روتی ہوئی مجھ سے کہنے لگی کہ" تم میرے حال سے بالکل بے خبر ہو۔" میں نے جواب دیا کہ" خود میں اپنے حال سے بے خبر ہو رہا ہوں تو بھلا دوسرے کے حالات سے مجھے کیا آگاہی ہو سکتی ہے۔" پھر اس نے یوں کہا کہ" اے سنگدل آدمی میں نے تیرے فرطِ عشق میں انگوٹھی کا گل کھایا ہے اور

تمہیں اس کی کوئی خبر نہیں۔ کم از کم تھوڑا مرہم ہی مرحمت کیجئے کہ میں اپنے زخموں پر لگاؤں۔" میں نے مشاہدہ کیا تو واقعی اس کی ران پر انگوٹھی کا جلا ہوا نشان موجود تھا۔ میں نے متاسف ہو کر کہا" "آخر تمہیں کیا ہو گیا تھا' جو ایسی حرکت کر بیٹھیں۔" پھر اس نے کہا کہ "جو کچھ ہوا اچھا ہی ہوا' آپ کوئی فکر نہ کریں۔"

باوجود اس کے نہ مجھے اس سے کوئی خاص دلچسپی پیدا ہوئی اور نہ خود وہ میرا کوئی خاص خیال کرتی تھی۔

(۸۲)

معشوقۂ خاص اور سرفراز میں جھگڑا

مخبروں نے جب ان واقعات کی اطلاع سرفراز پری کو دی تو وہ آگ بگولہ ہو گئی اور ان تمام آدمیوں کی دشمنِ جانی ہو گئی جو میرے پاس اطلاعات پہنچاتے تھے۔ اب ہر وقت اور ہر محفل میں وہ افسوں طرازیوں اور دل جلانے والی باتوں سے کام لینے لگی۔ جب مجھے نواب معشوقۂ خاص پر زیادہ متوجہ دیکھا تو معشوقۂ خاص سے لڑنے جھگڑنے لگی۔ بات یہاں تک بڑھی کہ ایک روز ہاتھا پائی تک ہو گئی۔ اس کی چٹیا اس کے ہاتھ میں اور اس کی چٹیا اس کے ہاتھ میں۔ اس طرح صبح سے دوپہر تک یہ لڑائی ہوتی رہی۔ جب میں نے دیکھا کہ سرفراز پری کی لاتوں سے معشوقۂ خاص بے قابو ہو رہی ہے تو میں دوڑا ہوا گیا اور بیچ بچاؤ کیا اور دونوں کو سمجھا بجھا کر الگ کر دیا لیکن معشوقۂ خاص میری گریبان گیر ہو کر کہنے لگی" "اب یہ وقت آ گیا ہے کہ تم اپنی چہیتی عورتوں سے میری بے عزتی کرانے لگے' اب میں ہرگز اس گھر میں نہ رہوں گی۔"

میں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ محض اس کی سمجھ کا پھیر ہے لیکن وہ غصہ میں میری کوئی بات سنتی ہی نہ تھی۔ وہ چونکہ اب جانے پر تلی ہی بیٹھی تھی اس لیے میں نے اس کے لیے سواری حاضر کرنے کا حکم دیا۔ معشوقۂ خاص کی مفارقت مجھے کسی طرح گوارا نہ تھی

لیکن اس کی ضد کے آگے میں مجبور ہو گیا۔ آخر کار وہ سوار ہو کر چلتی بنی۔

میرا دل بری طرح بھر آیا اور میں دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ میں عجیب مصیبت میں تھا کہ ایک طرف ماں باپ کا خوف تھا اور دوسری طرف معشوقۂ خاص سے بے پناہ محبت۔

میں اسی عالم میں تھا کہ ایک ملازم نے آ کر عرض کیا ''معشوقۂ خاص مرغی خانہ تک جا کر واپس ہو گئی ہیں اور کوٹھے پر اپنی نشست کے کمرے میں چلی گئی ہیں۔'' میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور پھول کی طرح کھل گیا۔

(۸۳)

سرفراز پری کا روٹھ کر جانا

معشوقۂ خاص کا آدھے راستے سے گھر واپس آنے کا معلوم کر کے سرفراز پری کو بڑا تاؤ آیا اور اب وہ گھر سے چلی جانا چاہتی تھی۔ اسی حالتِ غیض وغضب میں وہ خودکشی کے ارادے سے کنوئیں کے قریب چلی گئی لیکن کچھ لوگوں نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ اس کے بعد میں نے اس کے قریب جا کر بہت کچھ سمجھایا لیکن وہ کسی کی کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھی اور ہر حال میں اپنے گھر جانا چاہتی تھی۔ عجیب صورت درپیش تھی۔ آخر میں نے تنگ آ کر کہہ دیا ''تم ذراتی کیا ہو۔ جانا ہو تو چلی جاؤ۔'' یہ سن کر وہ بے رحم سواری میں بیٹھ کر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے اس کی تصویر اپنے گلے میں آویزاں کر لی اور ایک منزل میں دروازے بند کر کے بیٹھا رہا۔

مجھے پوری طرح یقین تھا کہ سرفراز پری چونکہ بے وفا ہے ہی اس لیے اب دوبارہ اس کا یہاں آنا ممکن نہیں۔ مجھے بے ساختہ رونا آ رہا تھا۔ کبھی اپنے زخموں کے نشان دیکھتا تھا اور کبھی اس کی تصویر کے بوسے لیتا تھا۔ غرض اسی طرح کامل چار گھنٹے گزر گئے۔ یکایک دیکھتا ہوں کہ وہ سامنے سے چلی آتی ہے۔ میں نے بیتابی کے ساتھ دوڑ کر اسے گلے

لگالیا۔ وہ مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔ ہم کافی دیر تک اسی طرح تنہائی میں بیٹھے رہے۔ میں معذرت کے بعد عشق ومحبت کی باتیں کرنے لگا۔

معشوقۂ خاص کو جب یہ تمام باتیں معلوم ہوئیں تو وہ جل کر کباب ہوگئی اور اس کے سینہ میں آتشِ رشک بھڑکنے لگی۔

(۸۴)

سلطان پری کی کج ادائی

اگرچہ دشمنوں نے جلاپے کے مارے سلطان پری پر بھی بے وفائی کا الزام لگایا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ وہ بری طرح میری پرستار ہے۔ اس بہتان کو جب اس نے سنا تو اس کو اس قدر رنج ہوا کہ وہ متواتر دو تین روز تک روتی رہی' جس کی وجہ سے وہ لاغر دبلا ہو کر رہ گئی' اور اس کوفت میں کھانا پینا بھی چھوڑ دیا۔ آخر اس سے غصہ ضبط نہ ہو سکا تو اس نے میری بے خبری میں میری ولی عہدی کی مہر اٹھالی اور اس کے نگینہ کو گرم کر کے اپنی ران پر تین جگہ داغا یہاں تک کہ مہر کے تمام حروف ران کے گوشت میں پیوست ہو گئے۔ اس کے بعد میری طرف لنگڑاتی ہوئی آئی۔ جب میں نے لنگڑانے کا سبب پوچھا تو رونے لگی اور میرے ہاتھ میں مہر تھماتے ہوئے کہنے لگی "میں آپ کے قربان جاؤں۔ آپ نے مجھے بے وفا اور نمک حرام لوگوں میں شامل کر لیا ہے لیکن دیکھو میری ران کی کیا حالت ہو رہی ہے۔" میں اس کی ران میں اپنی مہر کے حروف کو مثلِ آفتابِ درخشاں دیکھ کر ششدر رہ گیا اور ساتھ ہی اس سے معافی کا خواستگار ہوا۔ پھر وہ میرے گلے سے لپٹ کر خوب روئی۔ اس کے بعد سے میرا دل اس کی طرف سے مثلِ آئینہ صاف ہو گیا۔

(۸۵)

امراؤ بخش

اسی دوران میں امراؤ بخش نامی ایک عورت امن کے توسط سے آئی اور میرے

گھر بیٹھ رہی۔ یہ عورت کچھ کچھ موسیقی کے فن سے واقف تھی۔ دو تین ماہ بعد اس کے حمل ٹھہرا میں نے اس کا پردہ کرادیا۔

(۸۶)

حضور باغ کی آراستگی

شروع سے میں صفائی پسند تھا۔ نیز ایجادات و بنائے عمارات میں بھی یکتا تھا لہٰذا باغ کی آراستگی اور نہروں کی تیاری کا خیال ہوا۔ فی الحال میں نے دو نہریں جاری کرنے کی تجویز سوچی۔ ان میں سے ایک کا نام چشمۂ شیریں اور دوسری کا نام چشمۂ فیض رکھا اور ان کے انتظام و انصرام کے لیے علی نقی خاں کو مقرر کیا۔ یہ صاحب نہایت منتظم اور اس کام کے اہل ثابت ہوئے۔ تھوڑی ہی مدت میں باغ اور نہروں کو آراستہ کر کے میرا معائنہ کرایا۔ میں نے باغ کا نام "حضور باغ" رکھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ایسا باغ اور ایسی نہریں اس سلطنت کے علاوہ کہیں اور نہیں دیکھی گئیں۔ اس باغ میں ہر موسم کے لحاظ سے الگ الگ مکان ہیں۔ "شہنشاہ منزل" سردی کے موسم میں نہایت آرام دہ ہوتا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان ہے جس کے بیچ میں ایک چھوٹا سا حوض بھی ہے جو کہ گملوں وغیرہ سے آراستہ ہے۔

گرمی گزارنے کے لیے "خاص مکان" سے زیادہ اچھا کوئی اور مکان نہ ہوگا۔ خدا جانے اس جگہ پر کس طرح سے ہوا کا کمرہ محفوظ ہو گیا ہے جب دھوپ تیز ہو جاتی ہو اور آدمی مچھلی کی طرح تڑپ رہے ہوں اس جگہ آنے کے بعد ایک عجیب ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ اس مکان میں سنگِ مرمر کا فرش ہے۔

برسات کے موسم میں "فلک سیر" ایک عجیب و غریب مکان ہے۔ یہ مکان حضور باغ کے بیچ میں بنایا گیا ہے اور اس قدر فرحت بخش ہے کہ میں کچھ بیان نہیں کر سکتا۔

اس باغ کی آراستگی اور تعمیر کے سبب سے علی نقی خاں میری عنایتوں کے مستحق ہوئے تو انہوں نے اپنی طرف سے مسعود علی بیگ نامی ایک شخص کو لا کر باغ کے داروغہ کی

خدمت کا خلعت مجھ سے عنایت کروایا۔ باغ میں چشمۂ شیریں نام کی ایک نہر چالیس گز کی ہے اور دوسری نہر چشمۂ فیض دس پندرہ گز کی ہے' جس کے اطراف فوارے ہیں۔ ان فواروں سے جب پانی اچھلتا ہے تو برسات کا سالطف آنے لگتا ہے۔ جا بجا سفید سنگِ مرمر کی چوکیاں اور تصویریں نہایت سلیقہ سے رکھی گئی ہیں۔ ہر ایک چمن میں الگ الگ ایک ہی قسم کے پھولوں کے تختے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ گلاب کے چمن میں نسترن یا نسترن کے چمن میں کوئی گلاب کا پودا ہو۔ جگہ جگہ چینی کے مرتبان اور سنگی گلدستے رکھے گئے ہیں' جن میں درخت لگائے گئے ہیں اور یہ درخت اتنے گنجان ہیں کہ پانی کا ایک قطرہ بھی نیچے نہیں گر سکتا۔ درختوں کے نیچے آرام کرنے کے لیے سنگِ مرمر کی چوکیاں بچھائی گئی ہیں۔ باغ کے ہر کونے میں سرو اور چنبیلی کے پودے ہیں۔ ہر چمن کے کونے پر مہندی کی باڑھ کی حفاظت کے لیے لکڑی کے کٹہرے ہیں' اونچے درختوں میں خاص کر شہتوت کا درخت اتنا بڑا ہے کہ میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اس درخت کے نیچے سنگِ مرمر کا چبوترہ بنایا گیا ہے تاکہ برسات میں اس پر بیٹھ کر لطف اٹھایا جا سکے۔ ہر جمعہ کو اس درخت کے نیچے پریوں اور گانے والوں کی مجلس منعقد ہوتی ہے۔ خوش آواز پرندے اور خوش رنگ طاؤس اسی درخت پر بیٹھتے ہیں۔ اس باغ میں پرندوں کا شکار منع ہے۔ خان مذکور اپنی بہترین کارکردگی کی وجہ سے چونکہ میرے مقربین میں شمار ہونے لگے ہیں اور میری عنایتوں کے مستحق قرار پائے ہیں اس لیے وہ میرے بہت سارے گھریلو معاملات میں دخیل ہو گئے۔ یہ حال دیکھ کر داروغہ میر محمد مہدی جلنے لگے اور خواہ مخواہ ان کے دشمن ہو گئے۔

علی نقی خاں کی چندیا پر بال بہت کم تھے۔ اس لیے ایک روز میں نے محض مذاق میں کہا کہ نواب صاحب سر پر بالوں کا نہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ آپ وزیر ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ "حضور کے تصدق سے انشاء اللہ ایسا بھی ہو کر رہے گا۔" ان کی یہ بات میرے دل کو لگی' اور دل ہی دل میں کہا "یا اللہ! میں نے دروغ بیانی سے کام نہیں لیا۔ اگر تیری مرضی شاملِ حال رہی تو وقت آنے پر میری بات سچ ہو کر رہے گی۔"

(۸۷)

جوگی اور جوگن

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ پریوں کا جمگھٹا' گانے والوں کی بہتات اور میرے جذبۂ عشق ووفورِ محبت کا بڑا زور تھا۔ یہ احساس ہی نہ ہوتا تھا کہ اب رات ہے یا دن۔ خوش گلو گانے والے' خوش اطوار بجانے والے' ستار کا شور' پکھاوج کی جھنکار اور پھر مسلسل چار پانچ پہر تک طبلہ بجانے کی آواز ایک عجیب سماں ہوتا تھا۔ معشوقوں کے غم کے علاوہ کوئی اور غم تھا ہی نہیں۔ معشوقوں کا بھی یہی حال تھا۔ عمدہ کھانوں' بیش بہا لباس اور گانے بجانے کے علاوہ وہ کچھ جانتی ہی نہ تھیں۔ خدا کی مہربانی ایسی شاملِ حال تھی کہ کسی قسم کا غم مثلِ عنقا ناپید تھا۔ میں ہمیشہ کسی نہ کسی شاہدِ رعنا سے ہم آغوش رہتا۔ فلکِ کینہ پرور مارے رشک کے حسرت کے آنسو تاروں کی آنکھوں سے زمین پر گراتا' حوریں میری محفلِ طرب وحسرت بھری نظر سے دیکھتیں۔

آسمان پر چاروں طرف گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ ہلکی ہلکی پھوار کے قطرے درختوں کے تروتازہ پتوں پر گر کر عجیب منظر پیش کر رہے تھے۔ نسیمِ عنبر فشاں حضور باغ کے چاروں طرف نکہتِ گل پھیلا رہی تھی' عندلیبانِ نغمہ سرا و طائرانِ خوش نوا سیوتی کے پھول کی شاخوں پر عجیب مستانہ ادا سے خوش الحانی کر رہے تھے۔ باغ کے مستعد و جفاکش مالی ہاتھوں میں بیلچے لیے روشوں کو آراستہ کر رہے تھے۔ خاص کر کروندے کے درخت پر عجیب بہار آئی ہوئی تھی' جو سرتاپا برگ وبار میں لدے ہوئے تھے۔ گلاب کے تختوں کا بھی بڑا پرلطف منظر تھا۔ درختوں اور ان کی شاخوں اور ان کے پتوں کا کوئی حساب ہی نہ تھا۔ ہزارہ کے سنگتروں سے تمام باغ میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ کرنج کے درختوں کا سایا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے باغ میں کوئی سبز خیمہ تنا ہوا ہو۔

باغ کے جو نئے چمن تھے ان میں بڑے نایاب قسم کے تقریباً ایک ایک ہزار

درخت لگائے گئے تھے' جو ایک ہزار اقسام پر مشتمل تھے۔ اس کے علاوہ ایک چمن صرف ناشپاتیوں کا تھا۔ اسی طرح ایک چمن صرف سیب کا تھا۔ ایک چمن میں صرف شفتالو کے درخت تھے اور ایک چمن محض کروندوں کا تھا۔ ایک چمن میں امرودوں کا اور ایک ہزارہ کی نارنگیوں کا اور ایک چمن ولائتی نارنگی کا۔

حیرت ہے کہ یہ سارے درخت تاڑ کے مانند تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی ایک گز سے زیادہ اونچا نہ تھا۔ مہندی کی روش بھی نہایت سلیقہ سے ہر چمن کے گرد لگائی گئی تھی۔ ایک چمن گلِ ساوَنی اور ایک گلِ سیوتی کا تھا۔ ایک چمن صرف نسرین کا تھا' جس کے سفید سفید پھول ہرے ہرے پتوں میں آسمان کے ستاروں کی طرح چمکتے تھے۔ ایک تختہ چنبیلی کا بھی تھا۔ ایک چمن گلِ داوَدی کا تھا جن کا زرد اور سفید رنگ آفتاب و مہتاب کی طرح روشن رہتا تھا۔

سارے باغ کے گرد یکساں روش تھی' جس پر تین بگھیاں ایک دوسرے کے برابر برابر ہو کر گزر سکتی تھیں۔ اس روش کے دونوں رویہ موز کے درخت لگائے گئے تھے' جو بیقرار عشاق کی طرح اپنے بڑے بڑے پتوں کے بازو ایک دوسرے کے آغوش میں ڈالے ہوئے تھے' جس کی وجہ سے اس راستہ کا نام "ٹھنڈی سڑک" مشہور ہو گیا۔ مختصر یہ کہ موز کے پتے آپس میں اس طرح گھل مل گئے تھے کہ اس میں دھوپ مطلق نہ گزر سکتی تھی۔ میں اسی کے سایہ میں بیٹھا ہوا اس یارِ غفلت شعار کی فرقت میں اپنے دل کو رشکِ گلزار بنائے ہوئے تھا اور خود میری ہی تصنیف "مثنویٔ افسانہ عشق" زیرِ مطالعہ تھی۔ اس عالم میں یکا یک جنون کا غلبہ ہوا اور مجنوں کی طرح عریانیٔ تن کی خواہش ہوئی۔ چنانچہ میں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اسی عالمِ بے خبری میں دل کے آئینہ کو غبار آلودہ اور جگرِ فگار کو رشکِ دہ لالۂ پر بہار بنا کر سب کے سامنے سے گزر گیا۔

جوگیوں کا خاص امتیازی ساز و سامان میرے جسم پر تھا' موتیوں کی خاک صبحِ صادق کی طرح میرے چہرے پر چمک رہی تھی' موتیوں کا کنٹھا گلے میں' معشوقۂ خاص اور

نواب سکندر محل جوگن بنی تھیں۔ان کا ہاتھ میں نے اپنے بغل میں دبا لیا تھا۔

ہم تینوں کے جسموں پر بنارسی چادروں کی گاتیاں لپٹی ہوئی تھیں اور چہروں پر جلے ہوئے موتیوں کی خاک ملی ہوئی تھی۔بال پریشان' جن کی خوشبو سے سارا باغ معطر تھا' کانوں میں گوشوارے اور گلے میں موتی کی مالائیں۔اس محفلِ مدہوشی کے حاضرین میں' مصاحب' ملازم' ارباب نشاط وغیرہ موجود تھے اور سب کو سرور کے نشہ نے کچھ ایسا متاثر کیا کہ یکایک سب کے سب بے خود ہو کر اپنے کپڑے پھاڑنے لگے اور اسی عالم میں تمام آلاتِ موسیقی' جیسے ساز' ستار' رباب' سارنگی' مردنگ' طبلہ جھنجھنا اٹھے۔خوش آواز گانے والوں نے ایسی نغمہ سرائی شروع کر دی کہ ان کی آواز آسمان تک جا پہنچی۔جو لوگ یہ حال دیکھ رہے تھے وہ ششدر اور حیران تھے اور سب کے حواس چھوٹ گئے تھے۔

غرض کہ اس محفل کی حالت نے کسی کے ہوش بجا نہ رکھے۔کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو آنسو نہ بہا رہی ہو۔اور کوئی دل ایسا نہ تھا جو مضطرب و بے چین نہ ہو رہا ہو۔جوگی زرنگار دوپٹہ اپنی کمر میں پہنے ہوئے تھے جس کے نورِ تجمل سے تجلی برس رہی تھی۔جس وقت دوپٹہ کی گرہ لگائی گئی' کمر کی باریکی تارِ نظر سے بھی کئی گنا زیادہ باریک تھی۔چشم بد دور' سینہ اور شانوں کے ابھار کی شان ہی نرالی تھی۔بھری بھری رانیں' سرو کے پیڑ کی مثال تھیں۔جوگی دونوں جوگنوں کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے اس مجمع سے اجہاں ایک شور برپا تھا' تیزی کے ساتھ گزر گیا اور ہر وہ شخص جو ساتھ تھا آپے سے باہر تھا۔جو سامنے آیا وہ بھی اپنے ہوش کھو بیٹھا۔تمام عورتوں اور تمام مردوں پر خود رفتگی کا عالم تھا.... در و دیوار' قصر و بام اور ہر پست و بلند کی نظریں جوگی جوگنوں پر جمی ہوئی تھیں۔ہر گلی' ہر مکان' ہر سمت اور ہر کونا' غرض ہر طرف عورتوں کا ایک ہجوم تھا۔باغ کیا تھا ایک پرستان معلوم ہوتا تھا۔

جب انیس الدولہ بہادر اور رضی الدولہ بہادر باغ کے دروازے پر آئے تو اس عجیب منظر کو دیکھ کر حیرت زدہ و بے خود ہو گئے اور اپنے کپڑے پھاڑ دیئے' چہرے پر اور جسم پر خاک مل کر اور تہمد باندھے ہوئے وہ بھی جوگیانہ بھیس میں آ گئے۔ان کی آنکھوں سے اس

وقت آنسو جاری تھے' مورچھل ہاتھ میں لیے ہوئے آگے بڑھے اور جوگی کے قریب آ کر دیکھا کہ یہاں راگنیوں کی پھوار پڑ رہی ہے' جو بھی اس منظر کو دیکھتا ہے یہ سمجھتا ہے کہ پرستان کا سحر ہے' ابھی کچھ دن باقی تھا کہ سب کے سب اسی حالت میں باغ کے ایک گوشہ کی طرف چل پڑے' اور شام کے قریب وہاں پہنچے۔ جادو نواز مطربوں نے خیال

نہ کرسانوریا سے یاری میں جوگن بھئی رے

کا راگ گانا شروع کیا اور خوب خوب داد موسیقی دی۔ اس وقت جوگی بیراگن پر تکیہ کر کے دایاں پیر بائیں ران پر رکھ کر دلیروں اور مست شیر کی طرح بیٹھ گیا۔ رانوں اور سینہ کے کسرتی آثار' سڈول شانوں اور چمکدار رخساروں کا حال کیسے بیان کیا جائے۔ جو بھی دیکھتا تھا عش عش کرتا تھا۔ دونوں جوگنوں کا عجیب رنگ تھا۔ وہ انگور کی بیلوں کے سایہ میں محوِ رقص تھیں۔ ان کے ہوشربا رقص اور دل ربا گانے پر کوئی شخص اپنے ہوش میں نہ تھا اور اب سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

شام کو جب سورج ڈوبا اور چاند نکل آیا۔ جوگی یکا یک اپنی نشست سے اٹھ کر اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ چل پڑا اور نہر کے اوپر ''رفعت منزل'' پر مقام کیا۔ نور مہتابیاں روشن کر دی گئیں اور مختلف قسم کی آتش بازی چھوٹنے لگی۔ اس وقت شادی کی برات کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اب ہر آدمی کی یہ خواہش ہوئی کہ جوگی کے جلوہ کا نظارہ کرنا چاہیے جو اس تقریب کا دولہا بنا ہوا ہے تاکہ زیادہ سرور حاصل ہو۔ مختصر یہ کہ جب آدھی رات گزر گئی۔ دنیا کا رنگ بھی بدل گیا' چنانچہ محفل بھی برخواست ہو گئی۔ اب ویسی حیرت باقی نہ رہی' دلوں کی حالت معمول پر آ گئی۔ مہتاب نے اپنی کارفرمائی شروع کر دی اور ستاروں نے اپنی آنکھیں جھپکا لیں۔

اب جو آنکھ کھلی تو آسمان دوسرا چکر لگا چکا تھا' حقیقت میں نیرنگیٔ دنیا کو کوئی قیام نہیں۔ کوئی بھی اپنی مرضی کے مطابق کام نہیں کر سکتا چونکہ یہ نو ایجاد مشغلہ مجھے دل سے پسند آیا تھا۔ لہٰذا ہر سال ساون کے مہینے میں یہ محفل منعقد ہوتی رہی اور ہر بار اس کا رنگ نیا ہی

ہوتا تھا' اور یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔

(۸۸)

چھوٹے صاحب

ایک روز کا واقعہ ہے کہ میں پری خانہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ چھوٹے خان اور غلام رضا خان میرے حضور میں باریابی کا شرف رکھتے تھے۔ نجم النساء بیگم مرحومہ اور دیگر پریاں ناچ گانے کی تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ اس وقت یکایک آسمان پر سیاہ بادل نے چھا کر ساری دنیا کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور ایسا اندھیرا گھپ ہو گیا کہ شب دیجور کا سا سماں ہو گیا۔ اس ماحول کے دیکھنے سے مارے ہیبت کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور ہر ایک آدمی پر لرزہ سا طاری ہو جاتا تھا۔ ایسے میں غلام رضا خاں اور چھوٹے خاں نے باتوں باتوں میں کہا کہ گولہ گنج میں چھوٹے صاحب نامی ایک عورت رہتی ہے جو نہایت درجہ خوبصورت اور پسندیدہ قامت کی واقع ہوئی ہے۔

یہ سن کر میں نے چپکے سے اشارہ کیا اور کہا کہ "تم دونوں میرے ساتھ اسی وقت چلو تاکہ تھوڑی سی تفریح ہو جائے۔" ان دونوں مصاحبوں نے عرض کیا کہ "صاحب عالم! رات بڑی بھیانک ہو رہی ہے اور دل خوف سے دھڑک رہا ہے۔ لہٰذا ایسے وقت میں گھر سے نکلنا مناسب نہ ہوگا۔" میں نے یہ سن کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ بزدل ہو۔" تب انہوں نے عرض کیا "تو حضور ارادہ فرمائیں۔ ہم سایے کی طرح آپ کے ساتھ ہیں۔"

میں نے اسی وقت تمام حاضرین محفل کو رخصت کی اجازت دی۔ غلام رضا خاں' چھوٹے خاں اور نجم النساء بیگم مرحومہ اور دیگر پریاں و بیگمات محفل میں حاضر رہیں۔ میں اندر محل میں گیا اور الگ راستہ سے پری خانہ میں نزول فرمایا۔ وہاں قدرے رک گیا اور تنگ چوڑی دار پاجامہ اور انگرکھا زیب بدن کیا۔ ایک چادر کی ڈیڑھ گرہ کمر میں کسی اور دو طپنچے ساتھ لیے اور چادر کے ایک حصہ سے سر اور منہ چھپا لیا۔ سر پر دوپلی ٹوپی سادہ کامدانی کی

کڑھی ہوئی اس طرح پہنی کہ بھوؤں کا کچھ حصہ اس میں چھپ گیا۔ تلوار بغل میں دبالی پھر داروغہ نجم النساء بیگم مرحومہ سے کہا" میں باہر جا رہا ہوں۔ لیکن کسی کو اس کی اطلاع نہ ہو۔"

غرضیکہ پری خانہ کے راستہ اس اندھیری رات میں کھڑکی سے کود کر گلی میں جا پہنچا اور میرے ہمراہ دونوں مصاحب یعنی غلام رضا خاں اور چھوٹے خاں بھی تھے چونکہ گلی بڑی خطرناک معلوم ہوتی تھی اس لیے ہمراہیوں نے کہا" گلی کی پر ہیبت فضا دیکھنے کے قابل ہے اور عجیب بے سروسامانی کے عالم میں ہماری روانگی عمل میں آئی ہے۔" غرض کہ اسی قسم کی باتوں میں راستہ کٹ گیا اور ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ اس جگہ کا نام چھوٹے صاحب کا کوٹھا ہے۔ میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کوٹھے پر چڑھنے لگا' ابھی دو چار ہی زینے چڑھے ہوں گے کہ اوپر میری آمد کی اطلاع ہوگئی۔ اوپر جانے کے بعد دیکھا کہ ایک مجمع عام تھا' کئی ایک نوعمر جوان جو بڑے شوخ و شریر معلوم ہوتے تھے وہاں موجود تھے لیکن میری ظاہری شان و شوکت اور وجاہت و اقبال مندی سے وہ مرعوب ہو گئے۔ جیسے ہی ہم لوگ اس جگہ پہنچ کر کرسیوں پر بیٹھے' میرے ہمراہیوں نے اس عورت سے کہا" ہم نے دہلی کے جن رسالدار صاحب کا تذکرہ کیا تھا یہ وہی ہیں۔" اس آفتِ زمانہ نے جونہی میرا حسنِ جہاں افروز دیکھا مجھ پر ہزار جان سے فدا ہوگئی۔ عطر دان کھولا۔ میرے کپڑوں پر عطر لگایا اور پان کے بیڑے بنا کر میری طرف بڑھائے۔

میں نے ایک عیار و بازاری آدمی کی طرح اس کی نظر بچا کر اس کا میرے منہ میں دبا ہوا پان نکال کر چھوٹے خان کو دے دیا۔ اس نے دوسرا پان اپنے خاصدان سے نکال کر مجھے دیا اور جس کو میں نے منہ میں دبا لیا۔ اس کارروائی کے بعد میں نے اس سے باباں مانگ لیا اور بجانا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی اپنی موزوں کی ہوئی غزل جھنجھوٹی کے رگ میں الاپنے لگا۔ اس معشوقۂ طناز پر میری موسیقی سے جو وجد طاری ہوا تو وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی۔ بالآخر میرا ہاتھ پکڑ کر عشق کا اظہار کرنے لگی لیکن میں نے لاپروائی سے کام لیا۔ اس کے گھر میں موتی نام کی ایک بلی تھی' اس سے کھیلنے لگا۔ میں نے اس کی طرف سے انتہائی

لاپروائی برتی اور وہ خوشامد سے پیش آ رہی تھی۔

اسی طرح ایک پہر سے زیادہ رات گزر گئی۔ اس لیے میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب جلدی سے یہاں سے روانہ ہونے کی کوئی صورت نکالو۔ یہ سن کر ان دونوں نے دونوں ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھایا۔ جس وقت ہم جانے کو تیار ہوئے تو وہ دلبر ناز بھی آبدیدہ ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھی اور اپنا زرتار دوپٹہ اپنے سر سے اتار کر میری کمر کے گرد لپیٹ دیا' اور ایک انگوٹھی اپنے ہاتھ سے اتار کر مجھے دی اور کہا کہ ''خیر اس وقت تو آپ میرے دل کو دکھ پہنچا کر جا رہے ہیں لیکن آپ کو چاہیے کہ دوبارہ اپنا جلوہ دکھائیں۔''

میں ابھی بالا خانے ہی پر تھا کہ تھانے دار عمر خاں نے بازار میں کھڑے ہو کر قرنے کی آواز میں اپنے آوارد ہونے کی اطلاع دی لیکن اس عورت نے بہانہ کر کے ٹال دیا اور کہا کہ ''میں نے اپنا دروازہ بند کر لیا ہے۔ اب میرے پاس کوئی غیر آدمی نہیں ہے۔ تم یہاں سے جاؤ۔'' جیسے ہی میں زینہ سے نیچے اترا۔ سامنے بخش علی خاں کی سواری دکھائی دی۔ میں پھرتی سے کام لے کر ایک دکان میں چھپ گیا۔ میرے ہمراہی بڑے پریشان تھے۔ جب بخش علی خاں دور نکل گیا' میں دکان سے نکل آیا اور چلنے لگا۔ جب گولہ گنج کی چورنگی پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک شخص نے اور قرنے کی آواز کرتا ہوا میرے قریب آ گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عام طور پر کمر سے تلوار باندھ کر نکلنے کی ممانعت تھی لیکن راؤنڈ کے آدمی ایک جوانِ رعنا کو تلوار ہاتھ میں لیے چلتے دیکھ کر بھی خاموش ہو رہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ خاموش ہو رہے بلکہ انہوں نے راستہ بھی دے دیا اور میں ان کے درمیان سے ہو کر گزر گیا۔ مختصر یہ کہ ان واقعات کے رونما ہونے کے باوجود میں خیریت سے پری خانہ میں داخل ہو گیا۔ چونکہ رات اندھیری تھی اور مجھے تقریباً ساری رات کوچہ گردی کرنی پڑی تھی اس لیے آتے ہی پلنگ پر لیٹ گیا اور سفید لحاف اوڑھ کر بے سدھ سو گیا۔

معمولی ملازمائیں حسب قاعدہ پائنتی کی جانب بیٹھ کر پاؤں دبانے لگیں حقیقت یہ ہے کہ حضرتِ ولدِ ماجد کی سختی کے باوجود اتنی جوانمردی کا کام کرنا بڑا مشکل تھا۔

(۸۹)

مقابلۂ حسن

مصاحبوں کی نشست و برخاست کے لیے جو عمارت مخصوص کی گئی تھی اس کی مناسبت سے اس کا نام "وزیر منزل" رکھا گیا تھا جو کہ "شہنشاہ منزل" کے عین عقب میں واقع تھی۔

وزیر منزل کے بالکل روبرو شہیدی کی قبر واقع ہے۔ یہ منزل بطورِ خاص آراستہ کی گئی تھی۔

ایک روز میں "وزیر منزل" میں تھا' میرے اور چھوٹے خاں کے مابین شرط ہوئی کہ ہم دونوں کی خوبصورتی کا امتحان ایک نئی عورت کو بلا کر لینا چاہیے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مصاحب خاص چھوٹے خاں بھی کسی بتِ طناز و معشوقِ دل نواز کے مانند تھا اور وہ اپنی صورت و شکل پر بڑا نازاں تھا۔

مذکورہ شب والی گفتگو کے دوران میں نے اس سے کہا "صاحب عالم! مجھ پر بھی بے شمار عورتیں جان چھڑکتی ہیں لہٰذا آپ مجھ سے مقابلہ کرنے کی کوشش نہ فرمائیں۔ اس لیے کہ اپنی ابرو کے ایک اشارے سے میں اس کو اپنا گرویدہ بنا لوں گا۔ آپ نے فضول مقابلہ کی ٹھانی ہے۔" لیکن میں نے اس کی بات نہ مانی اپنی بات پر مجھے اصرار رہا۔ آخر یہ طے ہوا کہ ایک ایسی عورت کو بلانا چاہیے جو ہم دونوں سے قطعاً ناواقف ہو اور کسی وقت کسی عام جلسے یا خاص محفل میں دیکھا بھی نہ ہو۔ یہ طے ہونے کے بعد ایک نہایت حسین و جمیل عورت کو بلایا گیا۔ چھوٹے خاں دولہا کی طرح سج دھج بنا کر بیٹھا' دوپلی ٹوپی زیب سر تھی' زرکار و مصالحہ دار انگرکھا' زردوزی کا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ اس پر "معطر مجموعہ" لگایا' بالوں میں خوشبودار تیل اور پان سے منہ لال کیے ہوئے تھا۔

اس عورت کو چھوٹے خاں نے صاحب خانہ کی حیثیت سے بلایا تھا۔ جس وقت

وہ آئی میں پوشیدہ رہا اور میرے برآمد ہونے سے قبل طے شدہ فیصلے کے مطابق چھوٹے خاں نے اس عورت سے ربط محبت واختلاط بڑھالیا۔ میں نے پہلے ہی سے کہہ رکھا تھا کہ تم اس کو اپنی محبت کی گرہ میں خوب باندھ لو۔ جب وہ پورے طور پر تمہاری عاشق وشیدا ہو جائے گی تب میں تم دونوں کے دوران اختلاط آموجود ہوں گا۔

لہٰذا اس شرط کے مطابق چھوٹے خاں نے ناز وانداز سے کام لینا شروع کیا لیکن وہ عورت اس پر بری طرح سے مائل تھی اور اس قدر فریفتہ ہو رہی تھی کہ چھوٹے خاں کو اپنی شرط جیتنے کا یقین ہو چلا تھا۔

عین اسی وقت میں صرف ایک سفید چادر اوڑھے اور سر پر معمولی سی دوپلی ٹوپی رکھے ان کے سامنے آ گیا۔ رات کا وقت تھا اور میں نے دیکھا کہ بڑے انہماک کے ساتھ چھوٹے خاں اس عورت کے ساتھ مصروف گفتگو ہے۔ جب میں وہاں گیا تو اپنے کو چھوٹے خاں کی حیثیت سے ظاہر کیا اور جاتے ہی السلام علیکم کہا۔ چھوٹے خان نے وعلیکم السلام کہا اور بالکل ایک بے تکلف دوست کی طرح پر تپاک انداز میں مجھ سے ملا اور خاطر تواضع کرنے لگا اور سلسلۂ کلام جاری کرتے ہوئے کہا ''جناب عالی اتنے دنوں کہاں رہے؟ آیئے یہاں ہمارے قریب بیٹھیے۔''

میں نے جواباً کہا ''کئی روز سے میں آپ سے ملنے کا خواہش مند تھا لیکن فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ شکر ہے کہ آج ملاقات ہوگئی۔ دو تین روز اس شہر میں رہوں گا۔ اس کے بعد شاہجہاں آباد چلا جاؤں گا۔ صرف آپ سے ملنے کو حاضر ہوا ہوں۔''

چھوٹے خاں نے کہا ''بہت اچھا کیا جو آپ آ گئے۔''

اسی دوران میں میں نے دیکھا کہ وہ عورت' جو کہ چھوٹے خاں پر اس قدر جان دے رہی تھی اب میرے جانے کے بعد اپنے سامنے رکھے ہوئے چراغ کی بتی بڑھانے لگی اور کچھ کچھ مجھ سے چشمک زنی بھی کرتی جاتی تھی۔ ساتھ ہی پاندان کھول کر مصالحے کے دو پان لگائے۔ ان میں سے ایک پان چھوٹے خاں کو دیا اور اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دوسرا

پان میری طرف بڑھایا۔ میں نے اس کے اس خفیف تلطف کو پوشیدہ نہ رکھا اور چھوٹے خاں کو دکھاتے ہوئے پان لے لیا۔ جب میں نے ایسی حرکت کی تو اس عورت کو ناگوار ہوا۔ اس کے بعد اس نے چھوٹے خاں کی پشت کی طرف سے میرے پاؤں میں اپنے ناخن چبھونے شروع کیے۔ میں نے شکایت آمیز انداز میں چھوٹے خاں سے کہا" "بھئی دیکھیے آپ کی عورت ہمیں رسوا کر کے رہے گی' آپ اس کو تاکید کیجیے۔"

یہ سن کر چھوٹے خاں کے پہلو سے اٹھ کر وہ میرے پہلو میں آ بیٹھی۔ چھوٹے خاں نے بناوٹ سے کام لے کر برہمی کا اظہار کیا اور کہا" "اے بدتمیز تو میرے بلاوے پر میرے پاس آئی ہے' دوسرا آدمی سے تجھے کیا غرض۔"

اس عرصہ میں میں وہاں پڑا ہوا ستار اٹھا کر بجانے لگا۔ اس عورت نے داد دینی شروع کر دی۔ نوبت بایں جا رسید کہ اس نے چھوٹے خاں سے جتنا روپیہ لیا تھا زمین پر دے مارا اور کہنے لگی" "مجھے رات بھر تمہارے ساتھ بسر کرنا منظور نہیں۔" اس حرکت پر چھوٹے خاں کو بڑا تاؤ آیا۔ غلام رضا خاں اور دیگر مصاحبین خاص اسی جگہ چھپے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے اس عورت اور چھوٹے خاں کی بک بک جھک جھک سنی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اسے اس کے گھر جانے کی اجازت دے دی جائے اور چھوٹے خاں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر وہ بڑی مشکل سے رات یہاں گزارنے پر راضی ہوئی۔ ادھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا" "مجھے پتہ دو۔ انشاءاللہ میں کل تمہارے مکان پر آؤں گی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تو کل شاہجہاں آباد جا رہا ہوں۔" اتنا کہہ کر میں وہاں سے اٹھا اور اپنی خوابگاہ میں آ کر سو گیا۔

دوسرے دن سنا گیا کہ اس نے بڑی مشکل سے رات گزاری اور چھوٹے خاں سے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میں تم سے راضی نہیں ہوں۔

(۹۰)

داروغہ امراؤ بیگم

داروغہ نجم النساء بیگم صاحبہ مرحومہ کے انتقال نے بعد اندر کے معاملات کی اجرائی کے لیے ذمہ داری کو محسوس کرنے والی کسی معتمد عورت کی ضرورت تھی چنانچہ اس بنا پر داروغہ میر محمد مہدی نے سفارش کر کے امراؤ بیگم کو خلعت داروغگی عنایت کروایا۔ میں نے میر محمد مہدی کی خاطر اسے نوکر رکھا' لیکن کبھی بھی وہ میری طبیعت کے موافق نہ ہوئی۔

داروغہ امراؤ بیگم نصیر الدین حیدر کی محل' نواب قدسیہ محل اور محل موصوفہ کے بھائی حسین بیگ اور وفا بیگ کی ہمشیرہ تھیں۔ انہوں نے اپنے دامِ محبت میں گرفتار کرنے کی لاکھ کوشش کی لیکن میں نے ان کو کامیاب ہونے کا موقع ہی نہ دیا۔ روزانہ وہ پہروں پروانے کی طرح میرے اردگرد رہتی تھیں اور کسی نہ کسی فریب سے مجھے اپنا پرستار بنانا چاہتی تھیں لیکن میں ہر دفعہ اپنا دامن صاف بچا لیتا تھا۔ ایک وقت تو ایسا بھی ہوا کہ ان کے اور میرے درمیان متعہ کا بھی تذکرہ چھڑا' لیکن متعہ بھی نہ ہو سکا۔

ہنوز امراؤ بیگم نام کو اپنی خدمت پر مامور ہیں۔ ان کے زیادہ تر کام جاں نثار سرکار حضور ولی عہد بہادر حاجی محمد شریف علی خاں انجام دیتے ہیں۔ وہ ایک موٹی تازی' سرخ و سپید رنگ والی اور چوڑی صورت اور لمبے ہاتھ پاؤں کی پینتیس سال عمر کے سن کی عورت ہیں۔ اس لیے میں نے کبھی ان کی طرف التفات کی نظر بھی نہ کی۔

(۹۱)

میر محمد مہدی اور خطاب

رفتہ رفتہ میر محمد مہدی کو خلعت سرفراز کیا گیا اور ساتھ ہی انہیں امیر الامرا میر محمد مہدی صاحب کا خطاب بھی عنایت ہوا۔ انہوں نے منشی جعفر علی کو اپنی نیابت کا اعزاز دلوایا اور کول خانے کی داروغگی کے لیے چھوٹے خاں کو خلعت دیا گیا۔ شیخ محمد بخش ان کی پیش دستی

کے لیے مامور ہوا۔ خلعت عمارت غلام رضا خاں کو مرحمت کیا گیا اور ان کی پیش دستی کے لیے کاشی رام کو رکھا گیا۔ محمد معتمد علی خاں کو خزانہ ولی عہدی کی داروغگی کا خلعت ملا اور حسین علی بیگ کو محمد معتمد علی خاں کے توسط سے ''شہنشاہ باغ'' ''قصر الخاقان'' ''جہاں نما'' کی داروغگی مرحمت ہوئی۔ مسعود علی بیگ کو علی نقی خان کے وسیلہ سے حضور باغ اور مبارک باغ کی داروغگی عطا ہوئی' چھوٹے خان کو بھی خاص مکان کا داروغہ بنایا گیا۔ ثابت علی خاں کو مکانات موسومہ ''راس منزل'' مکانِ عاشقان پسند'' ''مکانِ معشوق پسند'' ''مکانِ محبوبان پسند'' ''قصر السلطان'' وغیرہ کی داروغگی کا خلعت دیا گیا۔ علاوہ بریں ثابت علی خاں' غلام رضا خاں اور محمد معتمد علی خاں کو سکندر باغ کی تیاری پر مامور کیا گیا۔ حقیقت میں باغ مذکور رشکِ جنت ہے۔ اس کے تیار ہونے کے بعد اس میں نواب سکندر بیگم صاحبہ فروکش تھیں' جو کہ ان کی زندگی تک انہیں کے قبضہ میں تھا۔ ان کا چونکہ کوئی وارث نہیں تھا اس لیے ان کے مرنے کے بعد سرکاری قبضہ میں آ گیا۔ غلام رضا خاں' محمد معتمد علی خاں' ثابت علی خاں اور کاشی رام کو سکندر باغ کی تیاری کا جب خلعت دیا گیا تھا اسی وقت مکان کے ایک ایک حصہ کی تیاری پر ان میں سے ایک ایک شخص متعین ہوا' جس کی وجہ سے ایک سال کے عرصہ میں پورا مکان تعمیر ہو گیا' ورنہ سات آٹھ سال کی مدت میں بھی اس کا پایۂ تکمیل کو پہنچنا ممکن نہ تھا۔ اس کی تیاری پر پانچ لاکھ روپے کی لاگت آئی تھی لیکن یہ ایک عدیم النظیر و تحفۂ روزگار عمارت تعمیر ہو گئی۔ اس مکان کے بیچوں بیچ ایک عالیشان مسجد بھی بنائی گئی ہے۔ جس کے مینار باہر سے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ سبحان اللہ مکان کا صدر دروازہ ایسا عالی شان ہے کہ شاید کبھی چشمِ فلک نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ مکان سے دریا کے دہانے تک ایک نئی سڑک ہے۔ کوئی آدمی اگر مکان کے بالا خانے سے سیر کرنا چاہے تو دریا کا نظارہ دور سے بخوبی ہوتا ہے۔ سڑک کے دونوں طرف پھلدار درخت لگائے گئے ہیں۔ سڑک کی چوڑائی اتنی ہے کہ اگر تین بگھیاں ایک دوسرے کے برابر ہو کر گزریں تو کوئی دقت نہ ہوگی' بلکہ سڑک کے اِدھر اُدھر پھر بھی ایک ایک گز کی جگہ باقی رہتی ہے۔

(۹۲)

رہس دھاری

ایک روز باغبانِ قدرت نے زمین پر گلِ لالہ کا فرش بچھایا تھا اور خلق اللہ کے دل فرحت خیزی سے رشکِ لالہ زار بنے ہوئے تھے۔ وہ دن ایسا تھا کہ اس کا جواب شبِ عروسی بھی پیش نہیں کر سکتی تھی۔ نکہتِ گل سے سارا حضور باغ مہکا ہوا تھا۔ میں ناچ گانے کے ساز و سامان کے ساتھ "فلک سیر" میں رونق افروز تھا۔ اس وقت میں نے پریوں کو رہس دھاری کا حکم دیا۔ رہس دھاری ناچ کا ایک سوانگ ہے۔ جس کی ہندو مذہب میں عبادت کی جاتی ہے۔ ہندو لوگ اس عبادت کے سامان پر بے شمار روپیہ صرف کرتے ہیں۔ اس میں کنھیا اور ان کی گوپیوں کا روپ دھارا جاتا ہے۔ یہ مبالغہ نہیں کہ جیسا رہس میں نے تیار کروایا ہے ویسا کہیں اور نہ ہوگا۔ تمام پریوں کو ہوشیار استادوں نے بڑی محنت سے تعلیم دے کر تیار کیا ہے۔ دراصل اس کو فنی حیثیت دینے والے سات آدمی ہیں جو میری سرکار میں ملازم ہیں۔ انہوں نے کنھیا اور ان کی گوپیوں کے روپ تیار کیے۔ جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

سلطان پری: رادھا کے روپ میں جو کنھیا کی خاص گوپی ہے۔

ماہ رخ پری: کنھیا کے روپ میں۔

یاسمن پری، عزت پری، دلربا پری، حور پری، کنھیا کی دوسری گوپیوں کے بھیس میں۔

اس کھیل کی تیاری پر کئی لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ تمام لوازمات موجود ہونے کے باوجود صرف درستی کے سلسلہ میں پانچ سو روپے کھل گئے۔ پرستش کے لوازمات اور لباس وغیرہ کی آرائش کے لیے جو اشیا خرید کی گئیں ان کی تفصیل بیان کرنا تضیع اوقات کا باعث ہوگا۔

کنھیا کی جو معشوق بنی تھیں، انہیں زبانِ سنسکرت میں گوپیاں کہا جاتا ہے۔ ان کے ناچ سنگیت بچھی اور برم سے مماثلت رکھتے ہیں اور یہ نام ہندی تالوں کے ہیں۔ اس ناچ میں کنھیا اور رادھا کے مکالمے کا تاثر ہوتا ہے جو مفارقت اور وصل کے ہنگام رونما ہوتا

ہ۔یہ مکالمہ ہندی دوہروں میں لکھا جاتا ہے جیسے

دوہرہ:

مور مکٹ کٹ کا چھنی کر موری اور مال
یہ مانک موہ من بسے سدا بہاری لال

دوسرادوہرہ رادھا:

آ پیارے موہنا پلک ڈھانپ تو ہے لیوں
نا میں دیکھوں اور کا نہ تو ہے دیکھن دیوں

جلسۂ مذکور صرف شام کے وقت ہوتا ہے۔ جب اس کا اہتمام وانتظام مکمل ہو چکا تو میں نے اپنے چھوٹے بھائی مرزا اسکندر حشمت بہادر کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے نہایت شوق اور خوشی سے میری دعوت قبول کر لی اور "فلک سیر" آ کر جلسے میں شریک ہوئے۔

اس موقع پر تمام پریوں نے اپنے کپڑوں میں عطرِ حنا لگایا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر مسّی اور عجیب ناز و انداز کے ساتھ میرے تخت کے اطراف کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ناچ گانے کی یہ محفل اس قدر عمدہ تھی کہ ہر شخص کی زبان پر سوائے واہ واہ کے کچھ اور نہ تھا۔ میرے بھائی پھول کی طرح کھلے ہوئے میرے پہلو میں بیٹھے تھے۔ شیشے کے کنول اور مختلف رنگوں کی مردنگیں جگہ جگہ لگائی گئی تھیں۔ تخت کے اطراف پھول کی چادریں تھیں۔ محلات پردہ نشین کے لیے چلمنیں چھوڑ رکھی تھیں اور وہ چلمنوں کے ادھر سے یہ تماشا دیکھ رہی تھیں۔

یہ حیات آفریں صحبت آدھی رات کے بعد موقوف ہوئی اور جملہ حاضرین اپنے اپنے مقام کو چل دیے اور میں بھی سو گیا۔

(۹۳)

ایک میلہ

پریوں کی بے حد خواہش تھی کہ مینا بازار اور میلہ کا اہتمام ہو چنانچہ میں نے ان کی

خواہش پوری کرنے کے لیے مینا بازار اور میلہ کا حکم نافذ کیا۔ حکم کے نفاذ کے فوراً بعد ہی صناعوں اور پیشہ وروں نے اپنا سامان حاضر کیا۔ نہایت قرینے اور سلیقہ سے دکانیں سجائیں۔ جس کسی نے بھی یہ مٹھائی کھائی دنیا بھر کی لذت سے اس کا دل بھر گیا۔ ایک جانب سبزی بیچنے والوں نے ہر قسم و ہر رنگ کی سبزی ٹوکریوں میں ترتیب کے ساتھ رکھی تھی۔ ولائتی میوہ فروش سیب' بہی' ناشپاتی' پستہ' بادام نہایت عمدہ طریقے پر جمائے ہوئے تھے۔ سیب اور بہی کے دیکھنے سے معشوقوں کے سیب ذقن بے ساختہ یاد آ جاتے تھے۔ انار اور ناشپاتی گل عذار معشوقوں سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ پستہ اور بادام کسی کے لب و چشم کے مماثل تھے۔ ایک جانب بھنگ فروش نازنینیں عجیب ناز نخرے سے عاشقوں کا نشہ دوبالا کر رہی تھیں۔ چرس اور تمباکو ان کے پینے والوں کے دلوں کا دھواں نکال کر فضا میں اڑا رہے تھے۔ کباب کی دوکانیں دل جلے لوگوں کے لیے تسکین کا باعث تھیں۔ زخمی دلوں پر نمک پاشی ہو رہی تھی۔ ہر کباب مرغ و ماہی کے دلوں کو جلا رہا تھا۔ اس پر ادرک اور لیموں کی ترشی الگ اپنا کام کر رہی تھی۔

تنبولی اپنے پانوں سے ماہ پاروں کے منہ ارغوانی کر رہے تھے۔ کسی طرف نانبائی نے خوشگوار طریقے پر شیر مال اور کباب چن رکھے تھے' جن کی بوئے جان پرور سے دماغ معطر ہو رہا تھا۔ ان کے بعد گل فروشوں کی دکانوں کی قطار شروع ہوتی تھی۔ ہر دوکان طرح طرح کے پھولوں کا مخزن تھی۔ ان گل فروشوں کی مستانہ صدائیں نغمہ ہائے بلبل کی طرح نازنینانِ جہاں کے گوش گزار ہو رہی تھی۔

ابرک اور مٹی کے قسم قسم کے کھلونے ارژنگِ چین کی کاری گری پر طعنہ زنی کر رہے تھے۔

کھیل تماشے دکھانے والے مختلف قسم کے کرتب نہایت پھرتی سے دکھا رہے تھے۔ ایک مقام پر نیولے اور سانپ کی لڑائی کا منظر تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے بے خوف تھے' جیسے عشق پیچاں درخت سے لپٹا ہے۔ غالب مغلوب کا سرزمین پر رگڑتا تھا اور ایسا

محسوس ہوتا تھا کہ مغلوب غالب سے عاجز ہو رہا ہے۔ دیکھنے والے اس بھیانک تماشے سے گھبرا اٹھتے تھے لیکن ایک مجمع کثیر ان کے دیکھنے میں مشغول تھا۔ ان دونوں جانوروں کی حفاظت خدا کرنے والا ہے۔

ایک جگہ پر ایک صندوق اور اس کے قالب میں تہہ در تہہ کئی صندوق تھے، جس میں بظاہر تھوڑے سے پر رکھے تھے لیکن تماشہ دکھانے والا حاضرین کو انہیں پروں سے کبوتر بنا کر دکھاتا تھا۔ اس شعبدے کی وجہ سے بازار میں بڑی بھیڑ تھی۔

ایک طرف نٹوں کا کرتب جاننے والے تھے۔ یہ لوگ ایران میں رسن باز اور نیرنج ساز کے نام سے شہرت رکھتے ہیں اور وہاں وہ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں لیکن ہندوستان میں نچلی ذات کے ہونے کی وجہ سے ان بازی گروں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اس کھیل کو پیش کرنے والے متعدد آدمی ہوتے ہیں۔ ایک آدمی ڈھول پیٹتا جاتا ہے اور دوسرے آدمی مختلف طریقوں سے تماشائیوں کو اپنی طرف متوجہ رکھتے ہیں۔ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے ڈھول کی آواز میں جادو ہوتا ہے جس کی وجہ سے متحیر کن حرکتیں دکھائی دیتی ہیں۔

ایک شخص زمین میں نیزہ گاڑ دیتا ہے اور اس پر رسی باندھ کر رسی پر چڑھتا ہے پھر اپنے سر پر کوئی بھاری بوجھ لے کر دوڑتا ہے اسی طرح وہ شخص ننگی تلوار پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد تلوار پر چل کر اور قلابازیاں کھا کر اسی رسی پر لوٹ آتا ہے اس کھیل میں اپنے جسم کو یہ لوگ تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور پھر ان ٹکڑوں کو ملا کر جوڑتے ہیں تو پہلے کی طرح زندہ آدمی ہو جاتا ہے۔ غرض اس قسم کے جادو کے کھیل دکھانے والے سحر سامری کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ ان کا قول ہے ہم بوڑھے کو جوان انسان کو حیوان اور مردے کو زندہ کر سکتے ہیں اور خشک بیج بوتے ہیں اسی لمحہ درخت اگ آتا ہے اور اس میں پھل پھول بھی نکل آتے ہیں۔ اس گروہ کے کچھ آدمی باتوں میں لگے ہوئے تھے اور ان کی عورتیں اپنے حسن و جمال کی نمائش کر رہی تھیں۔

ایک جگہ پر داستان گو بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے گرد مشتاقانِ داستان جمع تھے۔ یہ لوگ عشق و محبت کی داستانیں' طلسماتی حکایات اور جھوٹ موٹ واقعات سے سننے والوں کو حیرت کے دریا میں غوطے دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک قصہ بھی ایسا نہیں جو قرینِ قیاس ہو لیکن ان باتوں سے بوالہوسوں کے مبتذل جذبات کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔

ایک مقام پر جواری اپنے کاروبار پھیلائے بیٹھے تھے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کی جیب پر ڈاکہ ڈالا جائے۔ جو بھی لوگ یہ تماشا دیکھتے تھے' حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے البتہ اس فن کے جو ماہر ہیں' وہ اپنے ساتھیوں سے کانا پھوسی کر رہے تھے۔

کچھ آدمی چوسر اور شطرنج بچھائے بیٹھے تھے۔ ایک شخص' تیرہ فرش سے لے رہا تھا۔ بعض آدمی اپنے کو وزیر یا افسر بتا کر کھیل کو لڑائی اور لڑائی کو کھیل بنا رہے تھے۔ یہ بھی عجیب طرح کا لین دین تھا۔ ایک غریب آدمی پلک جھپکنے میں تونگر اور دولت مند آدمی دیکھتے دیکھتے کنگال ہو جاتا تھا۔ اس ناہنجار کھیل کی وجہ سے غریب آدمی امیر آدمیوں پر بڑا ظلم کرتے تھے اور فعلِ بد کے خیال کو ذہن سے نکال کر حرص کے شکار ہوتے تھے اور فتنہ و دغا و فریب کی وجہ سے قعرِ مذلت میں گرے ہوئے تھے لیکن رشوت خور محتسب اپنے حصولِ زر کی خاطر ان سے چشم پوشی کرتے تھے اور ہر بدکار آدمی سے ملے ہوئے تھے۔

اگرچہ امورِ خلافِ شریعت کو بادشاہِ دین پناہ کی شرع پروری روکنے کے لیے کافی تھی لیکن خود سرو آبرو دشمن رعایائے زشت اعمال اور تیرہ باطن عوام محتسب و قاضیِ شہر کی سختی کے باوجود حرکاتِ ناشائستہ و افعالِ ناجائز کے مرتکب ہوتے تھے۔ یہ لوگ گناہ اور حیوانی خصلتوں کے بانی تھے اور اپنی زندگی کو شیطان پرستی' بھنگ نوشی اور شراب خواری کی نذر کیے ہوئے تھے۔ یہ مدہوش و مے پرست' سرشار و بدمست اپنے لہو و لعب سے ایک لمحہ کو بھی غافل نہیں ہوتے۔ ایک جام کے لیے جان دینے کو تیار تھے۔

یہی حال مدک نوشوں اور افیونیوں کا تھا۔ جب یہ لوگ اپنے ساتھیوں میں آ کر شامل ہوتے تو جزا و سزا کا خیال بھی اپنے ذہن میں نہ رکھتے اور دنیا و مافیہا سے غافل ہو

جاتے۔ ایک شخص چلم پی کر اونگھ رہا تھا۔ دوسرا خود رفتگی کے عالم میں بالکل برہنہ ہو کر مجذوبوں کی سی حرکات ظاہر کرتا تھا یا کبھی کبھی قلقلِ جام کی طرح کھل کھلا کر ہنستا یا مینا کی طرح رو دیتا۔ غرض کہ ہر آدمی خشک و تر نشہ آور چیزوں سے اپنی خواہش کے مطابق شغل کر رہا تھا۔ ان میں کوئی چیز پکی ہوئی تھی' کوئی تلی ہوئی' کوئی پسی ہوئی اور کوئی کشید کی ہوئی۔ بدمستوں کے آگے پارسائی کوئی چیز ہی نہیں اور زہد و تقویٰ ایک خشک و بدذائقہ دوا کے مانند ہے جو حد درجہ کڑوی ہے۔

اس میلے میں ایک شیر لایا گیا تھا جو بکری کے تھنوں کو منہ لگا کر دودھ پیتا تھا۔ میلے میں شریک ہونے والے تمام آدمی اس ناممکن عمل کے امکان پر حیران تھے۔

اس میلے کے لیے میں نے اپنی حور تمثال و پری پیکر کہاریوں کو زربفت کے جوڑے اور میلے کے خرچ کے لیے بہت سا روپیہ عنایت فرمایا تھا۔ میلے کے ہنگامہ ہوش ربا میں وہ مشتری خصال و زہرہ جبین ناز و انداز دکھاتی ہوئی اور نخرے کرتی ہوئی برق کی مانند میلے میں ادھر سے ادھر پھر رہی تھیں۔ حاضرین میلہ ان عشوہ سازوں کی شان و شوکت کو دیکھ کر حیران تھے اور ان کی زبان پر الامان الامان کا ورد جاری تھا۔ مابدولت و اقبال مرکب حشمت اجلال ہاتھی پر سوار ہو کر نکلے اور دونوں ہاتھوں سے روپیہ لٹاتے ہوئے راستہ طے کر رہے تھے اور میلے کے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر اپنا سایۂ عاطفت ڈالتے ہوئے میلے کی دلچسپیوں کو دیکھ رہے تھے۔ فقیروں اور محتاجوں کو بے نیاز کر دیا گیا اور سرکاری آدمیوں کو حکم دیا گیا کہ میلے کا جملہ سامان اور وہ تمام برتن جن میں یہ سامان رکھا ہوا ہے دس گنا دام دے کر خرید لیا جائے تا کہ تمام دوکاندار مالدار ہو جائیں اور یہ بخشش صفحۂ روزگار پر یادگار رہے اور خریدا ہوا مینا بازار کا یہ سامان اعلیٰ حضرت قدر منزلت سلطان ابن السلطان خاقان ابن الخاقان حضرت محمد امجد علی شاہ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت بابرکت میں ہدیۃً بھیج دیا گیا۔ انہوں نے ازراہِ شفقتِ پدری ان چیزوں کو قبول فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ تم نے تمام مینا بازار خرید لیا لیکن ہمیں اطلاع نہ کی' خیر جو کچھ ہوا اچھا ہوا لیکن آئندہ اطلاع دینا لازمی ہے۔

(۹۴)

جشنِ ماہتابی

قدیم روایات کے مطابق ہر بادشاہ نے اپنے منظورِ نظر لوگوں کے لیے ہر فن کی تعلیم کا انتظام کیا اور کمال کے درجہ تک پہنچانے کا پورا بندوبست کیا اور ایسے ہی بادشاہوں میں بادشاہِ دہلی محمد شاہ اور سلطانِ بیجاپور ابراہیم عادل شاہ اور دیگر سلاطینِ سلف حسین و جمیل عورتوں کو فنِ موسیقی کی تعلیم دلوا کر انہیں ''گائن'' کے لفظ سے یاد کرتے تھے۔ چنانچہ مابدولت نے بھی اس رسم پر کاربند ہو کر کئی ایک زہرہ جبینوں اور پری پیکروں کے لیے فنِ موسیقی کا انتظام کیا' جن کی نظر کا ایک اشارہ جانِ عاشق کے لیے تیر کی مثال ہے' جن کی چوٹیوں کی موباف مارِ سیاہ ہے' ابرو زہریلے بچھو ہیں جو ڈنک مارنے کو تیار ہیں۔ جب یہ گانے لگتی ہیں تو لحنِ داؤدی کا معجزہ پیشِ نظر ہو جاتا ہے اور روح تن سے نکلنے کو بیتاب ہو جاتی ہے۔ اگر ناچ کے لباس سے آراستہ ہو جائیں تو آتش پرست سجدے میں گر پڑیں۔ ان کے بھڑکیلے لباس اور خوبصورت زیور دیکھ کر لوگ حیران ہوتے ہیں۔ جب یہ ناچتی ہیں تو ناہید دائرہ اٹھا کر پھینک دیتی ہے اور یہ افسوں طرازی کا کمال سیکھنے کے لیے خوشامد پر اتر آتی ہے۔ جب یہ اپنا دامن اٹھاتی ہیں تو مور تابعداری کو آتا ہے۔

ترکانہ اداؤں سے جان لینے والی اور نخن عیسوی سے روح کو تازہ کرنے والی بارہ گھنٹوں میں بارہ مقامات پر نئی دھنوں' نئی آوازوں اور نئے انداز سے کام لیتی ہیں جس سے لیل و نہار کی نیرنگیاں نمایاں ہوتی ہیں۔ رقص کے دوران جب ہاتھ اوپر کو اٹھاتی ہیں تو مچھلی کی طرح ہوا میں تھرکتی ہیں۔

میں نے جب اس فن کی تکمیل کا حکم دیا تو تھوڑے ہی دنوں میں ان پری پیکروں نے ایسی مہارت حاصل کر لی کہ اگر اس فن کے استاد جیسے تان سین اور بیجو بھی ہوتے تو ان کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمتر تصور کرتے۔

قمری مہینے کی چودھویں تاریخ تھی' چاند اپنی آب و تاب میں درجۂ کمال تک پہنچا

ہوا تھا۔ اس فن کو جاننے والوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور کہا تمہیں ہر قسم کے کھانوں اور لذیذ چیزوں میں سے جس چیز کی بھی ضرورت ہو تیار کروالو۔ میرے حکم کی بنا پر تمام مشاق فنکار حاضر درِ دولت ہو گئے۔ جب تمام آدمی جمع ہو گئے اور محفل آراستہ ہوئی تو ان سیم بروں میں سے ہر ایک نے باری باری اپنے فن کا مظاہرہ کیا اور اپنے ناچ گانے سے کائنات کو سرشار کر دیا۔ اس وقت کسی میں یہ جرأت نہ تھی کہ ماہ وشوں کی کسی بات پر حرف زنی کرے یا کوئی مین میخ نکالے۔ ان سب میں خاص کر سلطان پری نے اپنے کمالات کا ایسا مظاہرہ کیا کہ مجھے ان سے عشق ہو گیا۔ سارے کاملینِ فن نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ موسیقی نہیں سحرِ سامری ہے۔

(۹۵)

کریم بخش امیر بخش والی

ایک روز کا ذکر ہے جب کہ آسمان پر کالے کالے بادل چھائے ہوئے تھے اور میں رقص و سرود سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس وقت مسماۃ مینڈو محل والی (جو نصیر الدین حیدر مرحوم کے محل کی گانے والیوں میں تھی اور ان کے انتقال کے بعد کسبی کا پیشہ کرتی تھی) اس محفل میں آکر شریک ہوئی۔ یہ کوئی پینتیس برس کی عورت ہے۔

پہلے اس نے امن سے تعلقات پیدا کئے اس کے بعد غلام رضا خاں اور چھوٹے خاں کو ساتھ لے کر عین برسات کے موسم اور اندھیری رات میں بڑی تکلیفیں برداشت کر کے مجھ تک پہنچی۔ میں نے اس کو شرفِ باریابی بخشا اور وہ چھ ماہ تک بڑی شان و شوکت سے آتی رہی لیکن زیادہ عمر والی ہونے کی وجہ سے میں نے اس کے ساتھ تعلقات منقطع کر دیئے۔ میں نے کچھ سامان اور دو ہزار روپے کے کپڑے اس کے ساتھ کر دیئے۔

اگرچہ جی نہ چاہتا تھا کہ اس کو الگ کروں لیکن اس ہندی مثل کے مطابق جدائی اختیار کرنی پڑی:

''دونوں ہاتھ سے تالی بجتی ہے۔''

اس کے چند دن بعد عمدہ خانم والی پیاری سے ربطِ محبت بڑھایا۔ یہ عورت ترچھا

دیکھتی تھی اور پیاری عمدہ خانم والی کے نام ہی سے مخاطب کی جاتی تھی۔ میں نے اس کے پیچھے کئی ہزار روپے برباد کیے لیکن ترچھی ہونے کی وجہ سے بعد کو علیحدہ کر دیا۔

اس کے بعد بانو فرخندہ والی سے محبت کی۔ یہ عورت بھی کسی زمانہ میں نصیرالدین حیدر مرحوم کے ہاں گانے والیوں میں نوکر تھی۔ وہ خود بھی مجھ پر بری طرح شیدا تھی۔ کامل ایک سال تک وہ میرا گھر چھوڑ کر کسی اور جگہ نہیں گئی لیکن سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی چھوڑنا پڑا۔ مجھ سے چھوٹنے کا اس کو بڑا ملال تھا اور میری مفارقت میں روتی رہتی تھی۔ آخر اس نے مجبور ہو کر محمد رضا خاں سے متعہ کر لیا لیکن اس وقت تک بھی میرے ایک محل کے ہاں مصاحب کی حیثیت سے ملازم ہے اور جب بھی موقع ملتا ہے میرے گھر پڑنے کا پیغام بھیجتی ہے لیکن میں انجان ہو جاتا ہوں۔

اسی کی طرح چھوٹی گوہر نامی ایک عورت مجھ پر عاشق ہوئی اور ایک سال تک وہ آرزوئے وصال لیے رہی۔ اکثر غلام رضا خاں کے ذریعہ دونوں کے مابین سلسلۂ پیغام جاری رہا لیکن معلوم نہیں کس سبب سے وہ گھر نہیں پڑی جس کی وجہ سے اس کی ملاقات کو بھی ترک کرنا پڑا۔

اس سے پہلے حسین آباد کی ایک مسماۃ ولایتی بھی مجھ پر عاشق ہوئی اور اب بھی وہ مجھ پر فریفتہ ہے لیکن موسیقی کے فن سے ناواقف ہونے کی وجہ سے میں نے اس کی خواہش کی تکمیل نہ کی۔

امراؤ چھوٹی خانم والی بھی میرے حضور میں آئی تھی لیکن چونکہ اس وقت میں بستر علالت پر تھا اس لیے اس سے محبت نہ کی جا سکی۔

کنہیا کاما والی بھی عرصہ تک مجھ پر مرتی رہی لیکن میں نے اسے بھی قبول نہ کیا۔ مجبوراً وہ مسمی احمد علی داروغہ عمارت حسین آباد کے گھر پڑ گئی اور اب تک اسی کے پاس ہے۔

ایک کسبی مسماۃ بخشی جو نہایت بھدی اور سیاہ فام تھی۔ دو ایک مرتبہ میرے حضور میں آئی۔ یہ عورت گاتی بہت عمدہ تھی لیکن بوڑھی اور بدہیئت ہونے کی وجہ سے وہ میرے گھر

نہ پڑسکی۔

چپلہ بی باوانی صرف ایک رات میرے حضور میں پیش ہوئی۔ اس کے بعد بندی حبشن والی' جو حیدر حسین خاں پیش دست داروغہ' دیوان خانہ سلطانی کی عاشق تھی ایک دن بھولے سے میرے سامنے آ گئی لیکن میں نے اس کو بھی رخصت کر دیا۔ یقین ہے' کہ اب بھی وہ حیدر حسین خاں سے رسم وراہ رکھتی ہو گی۔

اچھی گلزاری مل والی مدت تک میری محبت کا دم بھرتی رہی لیکن میں نے نامنظور کر دیا۔ آخر مایوس ہو کر کسی اور کے گھر بیٹھ گئی ہے۔

اس کے بعد علی جان نامی عورت نے مجھ سے محبت کی ابتدا کی۔ وہ بھری مجلس میں ناچ گانے کے وقت مجھے اشارے کیا کرتی تھی۔ کبھی سب کے سامنے میرا ہاتھ پکڑ لیتی تھی اور کبھی میری موزوں کی ہوئی غزلیں اور ٹھمریاں تعویذ بنا کر گلے میں پہنتی تھی۔ کبھی گریہ و زاری کرتی اور کبھی میرے گھر پڑنے کے پیغام بھجواتی تھی اور عرض کرتی تھی کہ مجھے بھی پریوں کے زمرے میں شامل کر لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے اس کا کچھ کچھ لحاظ تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی اسباب ایسے پیدا ہو جائیں کہ اسے گھر بٹھا لیا جائے۔

انہیں دنوں میں نے کریم بخش امیر بخش والی کے عاشق ہونے اور اس کی ماں کے ناخوش ہو کر محکمہ شرعیہ میں مقدمہ دائر کرنے کا حال سنا تھا۔ اسی زمانہ میں داروغہ میر محمد مہدی کے پیش دست کی حیثیت سے میر علی حسین میرا ملازم تھا اور داروغہ' مذکورہ کے جملہ کاروبار اسی شخص کے ہاتھوں تکمیل پاتے تھے۔ آغا حسن اسی میر علی حسین کا عینی بھائی ہے۔

محمد معتمد علی خاں کو گانے بجانے والی عورتیں فراہم کر کے میرے حضور میں پیش کرنے کی بہت فکر رہتی تھی' لہٰذا ان کی تمنا تھی کہ کرم بخش امیر بخش والی کا مقدمہ رفع دفع ہو جائے اور آغا حسن کے عشق کے سلسلہ کو کسی طرح قطع کروا کر اس کو میرے گھر میں بٹھا لیا جائے۔ ثابت علی خاں بھی دوسرے معاملہ میں کچھ ایسا ہی منصوبہ باندھ رہے تھے یعنی وہ علی جان تنگی والی کو میرے حضور میں حاضر کرنے کی دھن میں تھے۔ میں نے دونوں کو حکم دے رکھا

تھا کہ تم دونوں آدمی ان عورتوں کے مقدمہ کو کچھ اِدھر اُدھر کر کے میرے حضور میں پیش کرو۔

علی جان چونکہ ایک سپاہی سے محبت کرتی تھی اس لیے میرے ہاں آنے پر راضی نہ ہوئی لیکن مجھے تعجب تھا کہ وہی عورت میرے سامنے مجھ سے اظہارِ عشق کرتی تھی' اپنے گھر بٹھانے کے لیے مجھے قسمیں دیا کرتی تھی۔ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے لیکن پھر میں نے اپنے دل میں کہا' جب وہ میرے سامنے آئے گی تو سارا بھید کھل جائے گا۔

چونکہ وہ مرافعہ کے سلسلہ میں قید تھی اس لیے اس کے آنے کی کوئی سبیل نہ تھی۔ انشاء اللہ اس کا مفصل حال اپنے تختِ موروثی پر جلوس فرمانے کے بعد قارئین کی خدمت میں بیان کروں گا۔

میں نے کریم بخش امیر بخش والی کو شیخ حسین علی' نجف علی شاعر اور چھوٹے خان کی معرفت خفیہ طور پر زندانِ مرافعہ میں مکتوبِ محبت بھیج کر اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اِدھر آغا حسن کو بلایا اور اسے بہت کچھ سمجھایا لیکن اس فریبی نے میرے سامنے تو میری بات مان لی لیکن یہاں سے جانے کے بعد ایک عرضداشت حضرتِ جنت مکان کے حضور میں پیش کی' جس میں مجھ پر جبر و تشدد کا الزام لگایا تھا۔ اس عرضداشت کی بنا پر اربابِ مرافعہ کو اس مضمون کا ایک تاکیدی حکم بھیجا گیا:

> "شاید مرزا ولی عہد بہادر کے متوسلین میں سے کوئی آ کر مقدمہ میں سفارش کی کوشش کریں۔ ایسی صورت میں کسی کی نہ سنی جائے اور کریم بخش کو امیر بخش کے حوالہ کر دیا جائے۔"

چنانچہ اسی کے مطابق عمل کیا گیا۔ کریم بخش کو اس کی ماں امیر بخش کے پاس بھیج دیا گیا۔

میں کامل ایک ماہ تک اس کی دلجوئی کرتا رہا اور سمجھایا کہ تیری ماں امیر بخش اب تیرے قابل نہیں ہے اور وہ تیری جان کی دشمن ہو رہی ہے۔ بڑی کوششوں کے بعد وہ میرے گھر پڑنے پر راضی ہوئی اور آغا حسن کا دعویٰ باطل ہو گیا لیکن وہ بے عقل امیر بخش کسی

صورت بھی راضی نہ ہوئی اور میرے دل کو زبردست دھچکا پہنچایا۔

جب کریم بخش مرافعہ سے چھوٹ کر اپنی ماں امیر بخش کے گھر آ گئی تو آغا حسن سے نہ ملی۔ معلوم ہوا کہ آغا حسن نے ندامت کے مارے چار پانچ تولے افیم کھالی لیکن وہ شاید سخت جان تھا جو اب تک زندہ ہے۔

میں نے علی جان اور کریم بخش کے معاملہ میں بعض اراکین سلطنت کے ہاں بھی ثابت علی خان اور محمد معتمد علی خان کے ذریعہ بڑی با اثر سفارشیں پہنچائیں لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ارباب مرافعہ میں سے ایک شخص آغا محمد کو پانچ سو روپے بھیجے اس نے روپیہ قبول کر لیا لیکن میری منشاء کے مطابق کام نہ کیا۔ کیا بتاؤں مجھے ارباب مرافعہ نے کس قدر تنگ کیا ہے۔ میں نے محبت واخلاص کے اپنے ہاتھ سے لکھ کر چند خطوط بھی لوگوں کو بھیجے۔ ایک خط بھی مفید ثابت نہ ہوا جس کا میرے دل پر زبردست داغ ہے۔ کئی ہزار روپے مرافعہ اور محکمہ شرعیہ میں خرچ کئے لیکن میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ میں والد ماجد کے ڈر سے کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کوئی ایسے اسباب مہیا کرے کہ یہ مفارقت کا پردہ درمیان سے ہٹ جائے۔

(۹٦)

بندی عمدہ والی

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ میں سحری کھا کر ابھی سویا ہی تھا کہ محمد معتمد علی خان نے بے وقت آ کر میری کمر کو دبایا۔ میں نے بیدار ہو کر کہا ایسے وقت تو نے مجھے کس لیے زحمت دی۔ اس نے عرض کیا۔ بندی عمدہ والی نامی ایک عورت حضور کے عشق میں دیوانی ہو کر آئی ہے اور اس وقت وہ جہاں نما میں بیٹھی ہوئی ہے۔

اس عورت پر چونکہ پہلے ہی سے میری نظر تھی لہٰذا اسی وقت جہاں نما گیا۔ وہ واقعی وہاں بیٹھی ہوئی ملی۔ مجھے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر میری طرف دوڑتی ہوئی آئی اور مجھ کو گلے سے لگا لیا۔ میں نے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ مجرے کے حیلے سے یہاں تک آئی ہوں اگر میری ماں کو یہاں آنے کی اطلاع ہو گئی تو وہ سخت برہم ہو گی۔ میں نے

پوچھا ''آئندہ ملاقات کس طرح ممکن ہے؟'' اس نے جواب دیا ''ایام ماتم ختم ہونے دیجیے' اس کے بعد میں خود چلی آؤں گی۔''

اس دن کے بعد سے میرے دل میں اس کی محبت کا تیر پیوست ہوگیا۔ خدا کرے فراق کی مدت ختم ہوجائے۔ اس دوران میں اس سے دو چار مرتبہ ملنے کا اتفاق ہوا لیکن چند وجوہات ایسی تھیں کہ اسے گھر بٹھانے کا موقع نہ ملا۔

(۹۷)

امیر بخش کسبیہ

میرے مصاحبوں میں سے ایک مصاحب کے توسط سے آ کر امیر بخش نامی ایک کسبیہ میرے ہاں ملازم ہوئی اور ساتھ ہی مجھ پر عاشق ہوئی۔ یہ عورت حضور باغ کے ایک کمرے میں اتاری گئی۔ چھوٹے خاں کے ذریعہ میں نے اس کے آرام و آسائش اور دیگر ضروری اسباب کا انتظام کروا دیا۔ میں اکثر اس کے کمرے میں جا کر بیٹھا کرتا تھا' اکثر رقص و سرود کی محفلیں بھی ہوتی تھیں۔ پریوں نے یہ دیکھ کر بڑا شور مچایا اور معشوقۂ خاص کی طرف سے تو ایک اچھا خاصا فساد ہی برپا ہوگیا۔

اس کے علاوہ اس عورت کو ایک عارضہ بھی تھا۔ اس لیے اس سے ملنا جلنا ترک کیا۔

(۹۸)

محفل کی آراستگی

ایک روز میں نے ایک ایسی جگہ محفل سجائی جہاں برگ و بار سے لدے ہوئے درخت خوشگوار ہوا کے جھونکوں سے رقص کناں تھے اور مستی میں جھومتے ہوئے طاؤس ان کا جواب پیش کر رہے تھے۔ حضور باغ اور شہنشاہ باغ میں ہر طرف فانوس ولایتی روشن تھے۔ قصر خاقان کے چبوترے پر فرش کا انتظام کیا گیا تھا۔ پریاں بنچوں پر جلوہ افروز تھیں' خوش نوا مطرب اور آتش نفس مغنی مصروف نغمہ سرائی تھے۔ میں نے اس موقعہ پر:

رشک پری کو ملکہ ماہ عالم معشوقۂ خاص نواب شہزادی بیگم صاحبہ کا خطاب عنایت فرمایا۔

شہنشاہ پری کو منتقہ جہانی حسن آرا نواب شہنشاہ بیگم صاحبہ۔
سردار پری کو شفیقۃ الزمانی مہ لقا سردار بیگم صاحبہ
سرفراز پری کو عاشقۂ خاص انجمن افروز سرفراز بیگم صاحبہ
سکندر بیگم صاحبہ کو حبیبۃ السلطان مکرمۃ الزمانی سکندر بیگم صاحبہ
دلدار پری کو محبوبۂ خاص عاشق نما دلدار بیگم صاحبہ
دلربا پری کو بزم افروز دلربا پری
امیر پری کو خورشید لقا امیر پری
حور پری کو جانِ جہاں حور بیگم

کے خطاب مرحمت فرمائے۔ باقی پریاں اپنے اپنے خطاب پر قائم رکھی گئیں۔

اسی دوران میں سب پریوں کو باہر کے مکانوں میں سے ایک ایک مکان رہائش کے لیے دیا گیا اور ہر ایک بیگم کی خدمت کے لیے چار چار مردنوکر مقرر فرمائے گئے اور زریں چھتریاں ان کی زیبائش کے لیے دی گئیں۔

میں چونکہ معشوقۂ خاص کا عاشق تھا اور ہمیشہ روپیہ پیسا اسی کی تحویل میں رہتا تھا۔ اس لیے وہ عمدہ عمدہ قسم کے لباس تیار کروا کر مجھے پہناتی تھی۔ اس لیے میں معشوقۂ خاص کا ہمیشہ مشکور رہتا تھا۔ اس خدمت کے صلہ میں ماہانہ کئی ہزار کی آمدنی کے قطعاتِ زمین جو والدِ ماجد کے زمانہ میں میرے نام معاف تھے سب میں نے اسی کے نام منتقل کر دیے۔ اس کے علاوہ زر و جواہر سے بھی اسے سرفراز فرمایا جس کی تفصیل بیان کرنا باعثِ طوالت ہوگا۔

اسی زمانہ میں مرزا حسن نامی ایک مولوی کو میں نے مقرر کیا اور مکان کا ایک حصہ "مکتب خانہ" کے لیے مخصوص کیا۔ اس کے بعد ہر ایک بیگم نے اپنی بساط کے مطابق شرعی علوم کی تکمیل کی اور میرے آبائی تخت پر جلوس فرمانے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسی زمانہ میں سرفرازو پارے والی ماہانہ پانچ سو روپے پر میرے ہاں ملازم ہوئی۔ یہ وہی سرفرازو پارے والی ہے جس کا تذکرہ نواب نشاط محل ننھی بیگم صاحبہ کے بیان میں کر چکا ہوں۔ یہ عورت حضرت جنت مکان کے رحلت فرمانے اور میرے تخت نشین ہونے تک ملازم رہی۔

تیسرا باب

(۹۹)

حضرت جنت مکان کا انتقال

جس وقت میرے والد حضرت مکان راہی ملکِ بقا ہوئے اس جانکاہ غم سے دنیا اندھیر ہوگئی۔ دستِ الم سے تمام ملازمین نے دامنِ صبر و شکیب پھاڑ ڈالے۔ گلزارِ لکھنؤ جو درحقیقت باغِ ارم کو بھی شرماتا ہے' گلزارِ خزاں رسیدہ معلوم ہونے لگا۔ طیورِ راحت آشیانۂ دل سے رخصت ہوگیا۔ آہوانِ آرام انسانوں کے حرمِ جان سے رم کر گئے۔ صدفِ چشم اشکوں کے موتیوں سے پر ہوگئے۔ ہر سینے پر دستِ ماتم کی ضربیں پڑنے لگیں۔ دُودِ آہ سے زیرِ آسمان ایک اور نیا آسمان استادہ ہوگیا۔ اشکوں کا سیلاب طوفانِ نوح کی یاد تازہ کر رہا تھا۔ خاص کر یہ بندہ' جو جنت مکان سے بے حد محبت رکھتا تھا' ان کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کی تاب نہ رکھتا تھا۔

یکایک ہمائے اقبال اوج پر آیا اور ستارۂ فرخندگی اپنا جلوہ دکھانے لگا۔ باغبانِ گلشن ایجاد کو منظور تھا کہ گلشن لکھنؤ کے برگ و بار پھر سے تر و تازہ ہوں اور دوبارہ تخت و تاج کو زینت بخشی جائے۔

اس وقت والدِ ماجد کی مفارقت میں میرا دل ٹکڑے ٹکڑے تھا اور ان کی اندوہناک ہجرت سے دردِ جگر افزوں تھا۔ چار گھڑی رات اپنا سفر ختم کر رہی تھی کہ انگریزی چپڑاسی جس کو بڑے صاحب نے بھیجا تھا' آیا اور کہنے لگا:

''بڑے صاحب نے کہلوایا ہے کہ چھوٹے صاحب حاضر نہیں ہیں۔ اس لیے

ہالک صاحب بندگانِ عالی کی ہمرکابی کے واسطے حاضر ہیں۔ ان کے ساتھ آپ تشریف لائیں۔" چنانچہ میں اسی عالمِ رنج وملال میں نقرئی بوچہ پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ وہ بھی ایک عجیب وقت تھا۔ تمام جاں نثارانِ در دولت بوچہ کو گھیرے ہوئے تھے۔ جس وقت میں "گلستان ارم" میں داخل ہوا بڑے صاحب سے بات چیت ہوئی اور یہ سوال درپیش ہوا کہ ولدِ ماجد کو انتقال کے بعد کس لقب سے یاد کیا جائے۔ میں نے کہا کہ میرے جدِ امجد کا لقب "فردوس منزل" ہے۔ اسی مناسبت سے انہیں "جنت مکان" کہنا مناسب ہوگا۔

(۱۰۰)

تخت نشینی

اس ملاقات کے بعد میں مکان کی بالائی منزل پر آیا اور نمازِ دوگانہ ادا کی اور مجتہد العصر والزماں نے میرے سر پر تاج رکھا۔ اس کے بعد میں نے تخت پر جلوس فرمایا اور جس قدر اراکین وعمائدینِ سلطنت موجود تھے انہوں نے نذریں پیش کیں، ساتھ ہی سلامی کی توپیں چھوڑی گئیں۔ میں چند لمحہ تخت پر بیٹھا رہا۔

چونکہ میں پیکرِ غم واندوہ بنا ہوا تھا اور ایک لمحہ کے لیے بھی میرے آنسو نہ تھمتے تھے اس لیے بارہ دری کے پیچھے والے مکان میں جا کر آرام کیا۔ اس رات کو چونکہ معشوقوں اور پریوں کی معیت نہیں تھی لہٰذا محمد معتمد علی خاں کے ذریعہ ایک ایک انگوٹھی ہر ایک پری اور ہر ایک بیگم کی بطور نشانی منگوائی اور ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈال لیا۔

اس کے دوسرے روز مصاحبانِ خاص اور دیگر اشخاص کو تلوار، خلعت اور معقول خطاب سے ممتاز فرمایا۔ اس زمانہ میں میرے استاد امین الدولہ بہادر مدار الہام تھے اور یہ عہدہ میں علی نقی خاں کو دینا چاہتا تھا۔ اس وجہ سے انہیں خطاب عنایت فرمایا گیا کہ آئندہ دیکھا جائے گا۔

اس وقت میں نے جو خطابات دیے وہ حسبِ ذیل ہیں:

غلام رضا خاں: رضی الدولہ مرضی الملک غلام رضا خاں بہادر ہزبر جنگ
چھوٹے خان: انیس الدولہ مونس الملک خانہ زاد خان بہادر
ثابت علی خان: ثابت الدولہ بہادر
غلام یداللہ خاں: قطب الدولہ مفتاح الملک مونسِ دل پذیر
محمد قطب علی خاں بہادر: قائم جنگ مصاحب خاص حضرت سلطانِ عالم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

دیگر مصاحبوں کے خطاب وہی باقی رہے جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر خطاب کے آخر میں مصاحب خاص حضرت سلطانِ عالم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کا لفظ لازمی تھا۔ اسی طرح شیخ غلام علی بہاء الدولہ میر اکبر علی' جو اس وقت مصلح السلطان کے پیش دست ہیں' اکبر الدولہ کے خطاب سے ممتاز ہوئے اور آدمیوں کو حسب مراتب واہلیت خطاب دیے گئے۔ خواجہ سراؤں کو بھی حسب تفصیلِ ذیل خطابات سے سرفراز کیا گیا:

محمد معتمد علی خان : دیانت الدولہ متدین الملک (دوامی)
محمد بشیر علی خان: بشیر الدولہ مبشر الملک (دوامی)
محمد ریحان علی خان: گلبن الدولہ بہار الملک محمد ریحان علی خان سر سبز جنگ۔

میرے زمانہ ولی عہدی میں دیانت الدولہ کے توسط سے ایک اور خواجہ سرا' جو حبشی نژاد تھا' ملازم ہوا تھا۔ اس کو احسن الدولہ محسن الملک کا دوامی خطاب دیا گیا۔ یہ شخص بڑا لائق' فہمیدہ' علومِ عربی وفارسی سے بہرہ ور اور بڑا نیک آدمی تھا۔

حاجی محمد ہلال علی خاں کو زائر الدولہ کا خطاب دیا گیا۔ میرے ایامِ ولی عہدی میں ایک اور حبشی نژاد خواجہ سرا نواب سلیمان محل صاحبہ کے ہاں سے آیا تھا۔ اس کو بھی مبارک الدولہ خورد کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔

مرض الدولہ بہادر کو گھنگھور نامی پلٹن کی افسری دی گئی۔ اس پلٹن میں چار سو

انگریزی سوار ہیں جن کو ترک سوار کہا جاتا ہے اور یہ پلٹن رسالہ باڈی گارڈ سے موسوم ہے۔

افسر الدولہ بہادر کو توپ خانہ نگریا اور بالک گنج کی خدمت دی گئی۔

رضی الدولہ بہادر کے برادر نسبتی غلام حسن خاں کو وحید الدولہ کے خطاب دائمی سے ممتاز کیا گیا اور وہ آب خانہ سلطانی کی داروغگی کی خدمت پر مامور کیا گیا۔

وہاج الدولہ بہادر کو سلطانی میگزین اور ثابت الدولہ بہادر کو تمامی گنجیات کی خدمت سے مفتخر کیا گیا۔

قطب الدولہ بہادر کو دفتر سلطانی کی خدمت دی گئی۔

فیروز خواجہ سرا کو فیروز الدولہ بہادر کا خطاب دے کر محلات و وثیقہ دار کی نظارت پر فائز کیا گیا۔

محلات حضور کی نظارت پر بشیر الدولہ بہادر۔

بہاؤ الدولہ بہادر کو بھر مار پلٹن کی کمیدانی کی خدمت عطا ہوئی۔

ایک قدیم مصاحب مسمی بھورا کو اعزاز الدولہ کا دوامی خطاب دیا گیا۔

محمد معتمد علی خاں کی خدمات از سر نو مقرر ہوئیں۔

گلبدن الدولہ بہادر کو گاؤ خانہ سلطانی کی خدمت دی گئی۔

مبارک الدولہ بہادر کو نجف اشرف اور مقبرۂ مرزا نصیر الدین حیدر مرحوم و مغفور کی خدمت پر مامور کیا گیا۔

دس لاکھ روپے جنت مکان کے مقبرے کی تعمیر کے لیے خزانۂ عامرہ سے غلام علی خاں ابن غلام رضا خان کو جو نجیب الدولہ بہادر کے خطاب سے ممتاز ہے اور سکندری پلٹن کی کمیدانی پر مامور تھا' عنایت کیے گئے اور اس کی مددگاری کے لیے بشیر الدولہ بہادر کو بھی حکم دیا گیا۔

شیخ محمد بخش کو جو ولی عہدی کے زمانہ میں داروغۂ کول خانہ اور پیش دست انیس الدولہ بہادر تھا' حسب سابق داروغگی کول خانہ کا خلعت دیا گیا اور آخر میں جدید انگریزی

پلٹن کی کمیدانی پر ممتاز کیا گیا۔

جان نثار سرکار حضور ولی عہد بہادر کرنیل حاجی محمد شریف علی خاں کو شرف الدولہ شریف الدولہ جان نثار سرکار حضرت سلطانِ عالم خلد اللہ ملکہٗ وسلطنۃ کرنل حاجی محمد شریف شرافت جنگ کا خطاب اور ترک سواروں کی افسری' جس کا نام باڈی گارڈ ہے' کا اعزاز بخشا گیا۔ ولی عہدی کے زمانہ میں تمام عملہٗ امورِ داخلی انہیں کے متعلق تھا' وہ بدستور رہا۔

کچھ دنوں بعد امین الدولہ زخمی ہو کر اپنی خدمت سے علیحدہ ہو گئے۔ ان کی جگہ نقی خاں نے مدار الدولہ بہادر کے خطاب سے فیض یاب ہو کر وزارت کی کرسی سنبھال لی۔

(۱۰۱)

بیگموں اور پریوں کا محل قرار پانا

زمانہ ولی عہدی میں تمام بیگموں' پریوں اور معشوقوں کی عادات وخصائل' ان کی وفاداری اور ان کی بے وفائی کا مجھ پر اظہار ہو چکا تھا۔ اب تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد ان کو بے پردہ رکھنا مناسب نہ تھا۔ لہٰذا میں نے یہ تجویز سوچی کہ سب کو روپے' پیسے کا لالچ دے کر پردے میں بٹھایا جائے لیکن ان میں سے کچھ عورتیں' جو بے وفا تھیں' بھاگنے کی فکر کرنے لگیں لیکن انہیں اس کا موقع نہ ملا۔

آخر ایک روز میں نے تمام پریوں کو پردے میں بٹھا کر خطابات سے سرفراز فرمایا' جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

معشوقہٗ خاص کو ملکہ ماہِ عالم معشوقہٗ خاص حضرت سلطانِ عالم نواب سلطنت محل صاحبہ

شہنشاہ بیگم کو مشفقہ جہانی حسن آرا تجھی جان نواب شہنشاہ محل صاحبہ

سرفراز بیگم کو عاشقہٗ خاص انجمن افروز نواب سرفراز محل صاحبہ

دلدار بیگم کو محبوبہٗ خاص جانِ عاشق نما نواب دلدار محل صاحبہ

سردار بیگم کو شفیقۃ الزمانی بانگی جان مہ لقا نواب سردار محل صاحبہ
بزم افروز دلربا بیگم کو بزم افروز نواب دلربا محل صاحبہ
خورشید لقا امیر بیگم کو خورشید لقا نواب امیر محل صاحبہ
جانِ جہاں حور بیگم کو نواب حور محل صاحبہ
سلطان پری کو نواب سلطانِ جہاں محل صاحبہ
یاسمن پری کو نواب یاسمن محل صاحبہ
حضور پری کو نواب حضور محل صاحبہ
سکندر بیگم کو صبیحۃ السلطان مکرمۃ الزمان نواب اسکندر محل صاحبہ۔
وزیر پری کو نواب خورشید محل صاحبہ
نواب معشوق محل صاحبہ کو ملکۂ ملک تاج النساء نواب معشوق محل صاحبہ
نواب نشاط محل صاحبہ کو مہرتن افسر النساء نواب نشاط محل ننھی بیگم صاحبہ
نواب عزت محل صاحبہ کو ملکۂ پری وش نواب سلیمان محل صاحبہ
افتخار النساء خانم صاحبہ کو نواب حضرت محل صاحبہ
امراؤ خانم کو نواب امراؤ محل صاحبہ
فرخندہ خانم کو مبارک النساء فرخندہ خانم صاحبہ
عجائب پری کو عجائب خانم صاحبہ
بادشاہ بخش کو راحت السلطان
شیریں حبشن کو آرام السلطان
ماہ رخ پری کو ماہ رخ بیگم صاحبہ
لیلیٰ حبشن کو مطیع السلطان
عنبر افشاں حبشن کو حاضر السلطان۔

حیدری بیگم مرثیہ خواں جو میری ولی عہدی کے زمانہ میں شیشہ پیس کر کھانے کے

جرم میں محل سے نکال دی گئی تھی اور یہاں سے نکلنے کے کچھ دن بعد ہی قطب الدولہ بہادر کے ذریعہ پھر میری سرکار کے آسامیوں کے زمرے میں شامل ہوئی تھی' سیدۃ النساء حیدری بیگم صاحب کے خطاب سے ممتاز ہوئی۔

شہنشاہ محل صاحب' دلدار محل صاحب' سکندر محل صاحب' سرفراز محل صاحب' سردار محل صاحب کو ماہانہ تین تین ہزار روپے کی منظوری سے مشرف کیا گیا اور دوسری محلات و بیگمات کے دو دو ہزار روپے ماہوار مقرر ہوئے۔ نواب خاص محل صاحب کو ملکہ' مخدرۂ عظمیٰ نواب بادشاہ محل صاحب کا خطاب دے کر پانچ ہزار روپے ماہانہ جاری کیے گئے۔ اسی طرح شاہزادوں اور شہزادیوں کو بھی خطاب اور ماہانہ تنخواہ سے سرفراز کیا گیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد جملہ صاحبانِ محل اور مصاحبوں اور خواجہ سراؤں کو نوٹ کے کاغذ اور کئی لاکھ روپے دے کر مفتخر کیا گیا۔

حبیبتہ السلطان کو خاص کھلانے کی خدمت بخشی گئی۔ تھوڑا زمانہ گزرا تھا کہ مرزا فلک قدر بہادر مرتبہ' ولی عہدی پر اور مرزا کیوان قدر بہادر جرنیلی کے عہدے پر ممتاز کیے گئے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دونوں آپس میں سوتیلے بھائی تھے۔

(۱۰۲)

علی جان منگی والی

میری تخت نشینی کے بعد جب دو ماہ گزر گئے تو بیگموں اور پریوں کی جدائی میں جو محل کے مرتبہ کو پہنچی تھیں' میں زار و قطار روتا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے بھی چین نصیب نہ تھا لیکن مجبوری تھی کہ میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ بالآخر ایک ترکیب ذہن میں آئی' جس کے مطابق میں نے عمل کیا۔

دو عورتوں کا مقدمہ محکمہ' مرافعہ میں پیش تھا۔ ایک مدعی علیہ کا نام کریم بخش ہے جو

کہ مجھ سے والہانہ عشق رکھتی ہے۔ یہ اس وقت سے میری کمندِ زلف میں اسیر ہے جب کہ میں ولی عہد تھا۔ دوسری عورت علی جان ہے' یہ عورت مجھ سے ناراض ہے لیکن جب وہ حاضر ہوگی اصل وجہ معلوم ہوگی۔ غرض کہ ایک روز میں نے حکم نافذ کیا کہ وہ دونوں حاضر کی جائیں۔ کریم بخش کی ماں امیر بخش کو بلایا' اور اس کی رضامندی حاصل کر کے کریم بخش کو اپنے گھر بٹھالیا۔ بہار السلطان گلزار بیگم صاحبہ کے خطاب سے اسے ممتاز فرمایا۔ علی جان کو جب بلایا گیا تو اس مکار عورت نے دھائیں دھائیں رو کر زمین و آسمان کو دہلا دیا۔ آخر میں نے مجبور ہو کر پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے جو تو یوں روتی ہے۔ اس نے عرض کیا میں اسی سپاہی پر ابھی تک مرتی ہوں۔ آخر میں نے صبح دربار میں اس سپاہی کو بلایا اور اس عورت کو اس کے حوالہ کر دیا۔ وہ دعائے خیر دیتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔

(۱۰۳)

مصاحبوں کو خطابات

اسی زمانہ میں مصاحبانِ خورد یعنی نچلے درجہ کے مصاحبوں کو بھی میں نے خطابات اور عہدہ ہائے جلیلہ عنایت فرمائے۔

گھسیٹے خان کو مصاحب الدولہ بہادر کے خطاب اور عرض بیگی کی خدمت پر ممتاز فرمایا۔

محمد حسن کو مطیع الدولہ محمد حسن بہادر۔

خواجہ بخش خان برادر قطب الدولہ بہادر کو رضی الدولہ بہادر۔

غلام نبی خاں رضی الدولہ بہادر کے چچا غلام نبی خان کو تحسین الدولہ غلام نبی خان بہادر کا خطاب اور کیدانی اور رسالداری کی خدمات عطا کی گئیں۔

رضی الدولہ کے خالو کو نشاط الدولہ غلام حیدر خان بہادر کا خطاب اور اربابِ نشاط کی داروغگی کی خدمت عنایت ہوئی۔

الہیا خان کو مستقیم الدولہ بہادر کا خطاب اور پیش خانہ سلطانی کی خدمت مرحمت فرمائی گئی۔

نثار علی خاں اور حیدر علی خاں چونکہ خدمت سے محروم تھے اس لیے انہیں کوئی خطاب نہیں ملا لیکن میں ان کی فکر میں تھا۔

(۱۰۴)

سولہ طوائفیں

اس دوران میں مجھے خفقان ہو گیا۔ محلات و بیگمات کی مفارقت' جو اب پردے میں بٹھا دی گئی تھیں۔ ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی۔ اس لیے رفع خفقان کے خیال سے ناچنے والی چند عورتوں کو ملازم رکھا۔ ان سب میں بندی عمدہ والی بہت اچھی تھی۔ یہ عورت زمانہ ولی عہدی میں دیانت الدولہ بہادر کے ذریعہ جہاں نما کے مکان میں آ کر ایک دفعہ مجھ سے ملی تھی۔

وہ حسن باندی حسینی والی اور چھٹن بی کی بہن تھی اس طرح کل سولہ عورتیں ملازم ہوئیں لیکن صاحباتِ محل جس طرح اپنے زمانہ بیگمی میں میری دلجوئی اور دلچسپی کا خیال رکھتی تھیں وہ ان سے کہاں ممکن تھا۔

زمانہ ولی عہدی سے میں بندی سے چونکہ تعلقِ خاطر رکھتا تھا' اس لیے اس کی تفریح کے لیے حضور باغ' سواری کے لیے بگھی اور پہننے کے لیے جواہرات سے اسے نوازا گیا۔ اگرچہ مجھے حسن باندی اور چھٹن سے بھی دلچسپی تھی لیکن بندی سے ربط و اختلاط زیادہ تھا۔ اس بنا پر چھٹن اور حسن باندی بھی رہنے لگیں۔ جب ان دونوں سے ربط ضبط زیادہ پیدا کیا تو بندی حسد کی آگ میں جلنے لگی۔ جب میں نے محسوس کیا کہ یہ تینوں عورتیں آپس کے جلاپے کی وجہ سے مجھے چھوڑ کر چلی جائیں گی تو کافی غور و تامل کے بعد چھٹن اور حسن باندی کی جانب محبت کا ہاتھ بڑھایا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ سب عورتیں آ ہوئے رم خوردہ کی طرح

تھیں لیکن ان کی دلجوئی اور اطاعت سے میں نے انہیں زیر کر لیا جس کی وجہ سے وہ دونوں عورتیں میرے گھر پڑ گئیں۔ ان میں سے ایک معشوق السلطان خسرو بیگم صاحبہ اور دوسری کو ممتاز عالم عاشق السلطان نواب قیصر بیگم صاحبہ کے خطاب سے ملقب کیا اور ہر ایک کو ماہانہ دو ہزار روپے مقرر ہوئے۔

(۱۰۵)

عمدہ بندی والی

خسرو بیگم اور قیصر بیگم کو گھر بٹھانے سے جب میں فارغ ہوا تو بندی کی طرف سے محبت کے پیام موصول ہونے لگے۔ لیکن اس کا جذبۂ رشک وحسد انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ غرض کہ مصاحبوں کی سعی وسفارش کے بعد بخوشی میں نے اس کو گھر بٹھالیا اور وہ مطلوب السلطان حضرت بیگم صاحبہ کے خطاب سے ملقب ہوئی اور دو ہزار پانچ سو روپے میری سرکار سے ماہانہ تنخواہ قرار پائی۔

(۱۰۶)

امراؤ بیگم

اسی زمانہ میں رضی الدولہ بہادر کے ذریعہ ایک زنِ کسبیہ ماہ رمضان المبارک میں پسندِ طبع ہمایوں ہوئی اور اپنی ماں سمیت میرے گھر آ کر پڑی۔ حضور السلطان امراؤ بیگم صاحبہ کے خطاب سے ممتاز کیا اور ساتھ ہی دو ہزار روپے ماہانہ مقرر ہوئے۔ حقیقت ہے کہ یہ عورت ناچ گانے میں بے مثل تھی۔

(۱۰۷)

بادشاہ بیگم

اسی زمانہ میں ایک اور عورت میرے پسندِ طبع ہوئی اور رضی الدولہ بہادر کے حسن

توسط سے آ کر میرے گھر بیٹھ گئی۔ اسے محبوب السلطان بادشاہ بیگم صاحب کا خطاب عنایت کیا گیا۔

(۱۰۸)

امتیاز بیگم

امتیاز نامی ایک عورت مجھ پر عاشق ہوئی اور رضی الدولہ بہادر کے توسط سے میرے گھر پڑی اور اس کو امتیاز بیگم کا خطاب دیا گیا۔

(۱۰۹)

سرفراز محل کی لاپروائیاں

سرفراز محل کو محل کا اعزاز دیئے ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ ان کے باہر آنے جانے کے راستے بند ہو گئے اور پھر میں بھی اب نئی بیگموں کی طرف راغب ہو گیا۔ اس اثنا میں سنا گیا کہ وہ پردے کے معاملہ میں کچھ احتیاط نہیں کرتیں۔ چھتر منزل سے دریائے گومتی کا نظارہ کرتی رہتی ہیں۔ نواب خورد محل عمدہ محل صاحبہ نے بھی بتایا کہ سرفراز محل پردہ ہو جانے کی وجہ سے روتی دھوتی ہیں۔

جب سرفراز محل کی مجھ سے ملاقات ہوتی تو کہتی ''تمہاری جدائی میں میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ ہمیشہ روتی ہوں۔'' یہ سن کر میں دل میں کہتا ''یا اللہ! میں کس مصیبت میں گرفتار ہوں، پردے میں بٹھانے کے بعد ان کا یہ حال ہے۔'' دو ایک مرتبہ تو خود میں نے اپنی آنکھ سے ان کی ناشائستہ حرکتیں ملاحظہ کیں۔ جب ان سے پوچھا تو صاف انکار کر دیا اور طرح طرح کی قسمیں کھائیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ یا تو میں ان کے پاس ہی رہوں اور یا پھر انہیں بھی باہر جانے کی اجازت دی جائے۔ مختلف طرح سے میں نے انہیں سمجھایا کہ محل میں بیٹھنے کے بعد باہر آنے میں بڑی خرابی ہے لیکن وہ میری بات مانتی ہی نہ تھیں، صرف روتی لڑتی
!

تھیں۔ کبھی تو کئی کئی روز کے فاقے کرتی تھیں۔ کبھی مجھے محل سے باہر جانے نہ دیتی تھیں اور کہتی تھیں کہ اگر تم مجھے باہر نہ لے جاؤ گے تو میں خودکشی کرلوں گی۔ دوسری طرف نواب سلطنت محل صاحبہ نے بھی میرے سر کی قسم کھا کر کہا کہ اگر سرفراز محل کو باہر نکالا تو میں بھی بے دھڑک محل سے باہر نکل آؤں گی۔ اس لیے کہ وہ تو تمہارے پاس رہے اور میں نہ رہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ نواب سلطنت محل صاحبہ کی میرے فراق کے صدمہ سے ایسی بری حالت ہوگئی تھی کہ ایک سال چند ماہ کے عرصہ میں کئی برس کی مریض معلوم ہوتی تھیں۔ ان میں اب وہ چستی تھی نہ وہ چالاکی' نہ وہ رعنائی شباب تھی' نہ وہ زیبائش جمال۔ میں اکثر ان کا حال دریافت کرتا لیکن ان کی زبان پر جیسے تالا لگ گیا تھا۔ کچھ نہیں کہتی تھیں' البتہ میری مفارقت کے تاثرات ان کی صورت سے عیاں تھے بہرحال مختلف بہانوں اور عذر و حیلہ سے انہیں باہر آنے کے خیال سے دور رکھا۔

(۱۱۰)

ماہ رخ کی رحلت

یہ خبر وحشت ناک میرے گوش گزار ہوئی کہ ماہ رخ بیگم کا انتقال ہوگیا۔ اس خبر سے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ میں نے اس صدمۂ جانکاہ اور دلی رنج سے بیتاب ہو کر اپنے کو بستر غم پر گرادیا اور آہیں بھرنے لگا لیکن صبر کے سوائے کوئی صورت بھی نہ تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۱۱۱)

زین النساء کا سانحۂ ارتحال

ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ شہزادی جہاں آرا بیگم صاحبہ کی والدہ زین النساء خانم صاحبہ کے انتقال پر ملال کی خبر ملی۔ اس وقت شہزادی جہاں آرا بیگم صاحبہ صرف چھ ماہ کی

تھیں۔ مرحومہ کو تپ دق کا عارضہ ہوگیا تھا۔ مجھے بڑا رنج ہوا اور اس شیر خوار لڑکی کو میں نے اپنی والدہ صاحبہ یعنی اس کی دادی کے سپرد کیا۔ ماشاء اللہ اب تک وہ اپنی دادی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پا رہی ہے۔ خدا اس کی عمر دراز کرے۔

(۱۱۴)

بادشاہ باغ اور سرفراز محل

ایک روز ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ مطربانِ خوش نوا نغمہ سرائی کر رہے تھے۔ اس وقت یکا یک مجھے بادشاہ باغ جانے کا خیال دامن گیر ہوا۔ بیتاب ہو کر میں نے سب محلوں کو سوار ہونے کا حکم سنایا لیکن نواب سرفراز محل کو جانے سے منع کر دیا۔ صاحبانِ محل، وزراء، امراء اور دیگر اشخاص بادشاہ باغ تک ہمرکاب ہو کر گئے اور چند روز وہاں قیام کیا۔ معلوم ہوا کہ اسی رات نواب سرفراز محل میرے فراق میں انگوٹھی سے ہیرے کا نگ نکال کر کھا گئیں۔ اس خبر سے میں بے چین و مضطرب ہو کر گر پڑا اور بشیر الدولہ بہادر کو بلا کر کہا "آہ اب میرا دل اس قدر ناتواں ہوگیا ہے کہ ایسی وحشت ناک خبر سننے کا متحمل ہی نہیں۔ تمام لوگ مجھے صبر کی تلقین کرتے تھے۔ کبھی والدہ صاحبہ کے پاس جا کر گریہ وزاری کرتا تھا۔ بادشاہ باغ سے چھتر منزل تک چپراسیوں کی ڈاک متعین کر دی تھی کہ پل پل کی خبر سے مجھے آگاہی ہوتی رہے۔ وہ تمام جلسۂ عیش و مسرت صحرائی ذروں اور خزاں زدہ پتوں کی طرح منتشر ہوگیا۔ آخر کار اسی رات بہ عجلتِ ممکنہ بادشاہ باغ سے روانہ ہو کر بادشاہ منزل پہنچا۔ شکر ہے کہ کوئی نامسعود واقعہ نہیں ہوا۔ خدا کے فضل سے سرفراز محل کو شفا ہوئی۔

وہ مجھے ہر روز اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کرتی تھی۔ اسی اثناء میں قاصدِ فرخندہ فال نے نواب سرفراز محل صاحبہ کے حمل قرار پانے کی خبر سنائی۔ میں بے حد خوش ہوا اور خدا کا شکر ادا کیا اور ان سے پہلے سے زیادہ عشق ہوگیا۔

اس روز کے بعد سے میں روزانہ ان کو ساتھ لے کر سواری میں سیر کو نکلتا تھا۔ شاید

خدا کی مرضی نہ تھی صرف پانچ ماہ بعد معلوم ہوا کہ نواب سرفراز محل کا حمل گر گیا ہے۔ میں نے بہت افسوس کیا اور ان کی صحت یابی کے لیے دعا کی۔ آخر میری دعا قبول ہوئی۔ انہوں نے بفضلِ خدا غسلِ صحت کر کے مجھ سے ملاقات کی لیکن ہر روز نواب سلطنت محل صاحبہ اور نواب سرفراز محل صاحبہ باہر آنے پر اصرار کرتی تھیں اور پہلے کی طرح کی پریشان کن خبریں مسلسل میرے گوش گزار ہوتی تھیں۔ لہٰذا میں نے اپنے دل سے کہا ''اے نادان! جس بات کے لیے تو نے ان کا پردہ کروایا تھا' جب وہ ہی بات پوری نہ ہو رہی ہو تو پھر اب محل میں بٹھا کر کیا کرے گا۔'' چنانچہ ایک روز میں نے ان دونوں کا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا اور سمجھایا کہ'' خدا نے تم لوگوں کو یہ عزت بخشی کہ محل کے مرتبہ تک پہنچی ہو اور اب باہر جلسہ میں قیصر بیگم اور خسرو بیگم کے ساتھ جانا چاہتی ہو۔ وہ سب عورتیں میری محبت کے تیر کی گھائل ہیں۔ جس وقت تم بھی وہاں جاؤ گی اور سب ایک جگہ ہوں گی تو آتشِ رشک سلگ اٹھے گی۔ ایسی صورت میں تمہارا کیا حال ہوگا۔''

لیکن میری اس تقریر کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ کہنے لگیں کہ ہمیں سب کچھ گوارا ہے۔ اگر باہر عورتیں جمع ہیں تو کیا حرج ہے اس لیے کہ ہمارے مقابلہ میں دوسری معشوقائیں آپ کو منظورِ نظر نہیں ہو سکتیں۔

ظاہر میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نواب سلطنت محل صاحبہ صرف یہ دیکھنے کے لیے باہر آنا چاہتی تھیں کہ باہر اس جمگھٹے میں نئی عورتوں پر متوجہ رہتا ہوں یا پرانی عورتوں پر۔

میں دونوں کی خواہش کے مطابق ان کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آیا اور وہ اس نئے جلسہ میں شامل ہوئیں۔ اس طرح وہ محل کے رتبہ سے مذلت کے گڑھے میں آ گریں۔ ملبوسِ حیا چاک کر دیئے' شرم کی نقاب الٹ دی اور زنانِ بازاری کے ساتھ آ کر مل گئیں لیکن میں نے یہ سب کچھ محض ان لوگوں کی خواہش کو پورا کرنے کے خیال سے کیا ورنہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ انہیں پردے میں بٹھانے کے بعد پھر باہر لا بٹھاتا۔

جب یہ دونوں باہر آ کر جلسہ میں شریک ہوئیں تو کچھ ناز و اغماض سے کام لینا

شروع کیا جیسا کہ وہ پردے میں بیٹھنے سے قبل کرتی تھیں لیکن ان کا چراغ جلنا مشکل تھا۔ اس لیے کہ یہاں تو بڑا بڑا عیار موجود تھا۔ بھلا نواب سرفراز محل صاحبہ ان کے مقام کو کہاں پہنچ سکتی تھیں۔ وہ تو بے وفائی کرنے پر تلی ہوئی تھیں لیکن وہ وفاداری کے تمام معزز خلعت سے ممتاز تھیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان لوگوں میں اب لڑائی جھگڑے کا آغاز ہو گیا اور قیصر بیگم، خسرو بیگم اور دوسری بیگموں کے غم و غصہ کی آگ تیز ہو گئی۔ اس طرف سات آٹھ بیگمات تھیں اور اُس طرف صرف دو تھیں۔ لہٰذا مقابلہ برابر کا نہ رہا۔ البتہ نواب سلطنت محل صاحبہ نے باہر آنے کے بعد بھی اپنی وفاداری و محبت کا ثبوت دیا لیکن ان کی محبت میں پہلے کی طرح کشش نہ رہی اور میں محسوس کرنے لگا کہ ان میں اور مجھ میں ہزاروں میل کی دوری حائل ہو گئی ہے۔ آخر کار ان دونوں کو اسی حالت میں رہنے دیا اور ان کے اچھے برے کام پر کبھی کوئی اعتراض نہ کیا۔

نواب سرفراز محل صاحبہ کی حد کو پہنچی ہوئی بے وفائی دیکھ کر ایک روز میں نے کہہ دیا کہ اب میرا تمہارا نباہ ممکن نہیں۔ اس لیے کہ تمہاری بے پروائیوں سے مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ تم اپنی ناشائستہ حرکتوں سے باز آؤ۔ یہ سن کر وہ رونے پیٹنے لگیں۔ اس کے سوائے کوئی جواب ہی نہ تھا لیکن اسی صدمہ سے میرا کھانا پینا حرام تھا۔ نتیجہ کے طور پر ایک روز انہیں ان کی ماں کے گھر بھیج دیا اور اپنے دل میں کہا اب اس بے وفا سے ہرگز نہ مل لیکن دو چار دن کے بعد میں پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا۔ جو عورت ایک پہر بھی میری نظروں سے اوجھل نہ رہتی تھی اب اس کا دیدار بالکل ہی نصیب نہیں تھا۔ آخر اپنے نازیبا عمل پر شرمندہ ہوا اور قطب الدولہ بہادر کی معرفت اسے پھر سے اپنے گھر بلانے کی کوشش کی۔

اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اب میں کسی قیمت پر بھی آنے کو تیار نہیں ہوں۔ اس لیے کہ میری زبردست توہین ہوئی ہے اب میں عتبات عالیات کی زیارت کو جانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔

یہ جواب سن کر میں بے چین ہو گیا اور کہا قطب الدولہ بہادر جس طرح بن پڑے تم اسے حاضر کرو۔ میرا یہ حکم سن کر غریب قطب الدولہ بہادر دوبارہ اس کے گھر گئے اور مختلف باتیں بنا کر اس کو میرے گھر لے آئے لیکن میں نے اسی روز ترکِ ملاقات کا بھی فیصلہ کیا اور کبھی اس سے آنکھ ملا کر بات بھی نہ کی۔ کبھی کبھار بات چیت کا بھی موقع آتا تو طعن وطنز کے علاوہ سیدھی بات نہ کی۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ اس نے بھی کچھ ایسا ہی رویہ اختیار کیا۔

(۱۱۳)

مرزا سلطان قدر کی پیدائش

اسی زمانہ میں نواب گل صاحبہ کے بطن سے فرزندِ دل بند کے پیدا ہونے کی خبر مسرت افزا میرے گوش گزار ہوئی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور سلامی کی گیارہ ضرب توپ سر کرائی اور مجھے اس سے بڑی خوشی حاصل ہوئی لیکن اس لڑکے کی تقدیر بری تھی اس لیے کہ اس نے صرف ایک سال کی عمر میں عالمِ جاودانی کی راہ لی۔ میں اس زمانہ میں بیمار تھا۔ یہ خبر سن کر کرنل رچمنڈ صاحب مع بڑے صاحب پرسے کی رسم ادا کرنے کے لیے لکھنؤ آئے اور ازراہِ دوستی واتحادِ قلبی تسلی دلاسہ دیا۔ میں خود اپنی بیماری کے باعث افسردہ تھا۔ اب سلطان قدر کے انتقال کے غم نے الگ آگھیرا۔ مجھے رات رات اور دن دن نہ معلوم ہوتا تھا۔

(۱۱۴)

شاہزادیوں کی نسبتیں

ایک روز میں بہت اداس تھا لہٰذا اس کیفیت کو مٹانے کے لیے میں نے سوچا کہ لڑکیوں کے کارِ خیر سے فراغت پانا چاہیے۔ خدا جانے کل کو کیا واقعات رونما ہونے والے ہیں۔ چنانچہ حضرت والدہ صاحبہ کی رائے سے ہر ایک کی نسبت کا پیغام بھیجا۔

نواب محسن الدولہ بہادر نے اپنے پھوپھا کے فرزند مرزا علی قدر طال اللہ عمرہ سے نواب عزت محل صاحبہ کی دختر مہر آرا صغرا بیگم کی نسبت مقرر کی۔ اب خدا کے فضل سے اس کی عمر پانچ برس کی ہے۔

مرزا ابوالقاسم خان نے اپنے ماموں زاد بھائی سے سپہر آرا بیگم صاحبہ کی نسبت ٹھہرائی۔ سپہر آرا بیگم صاحبہ نواب سلیمان محل کے بطن سے ہیں۔

رکن الدولہ بہادر خلف سعادت علی خاں مرحوم کے نواسے کی نسبت جہاں آراہ بیگم صاحبہ سے قرار دی گئی۔ جہاں آراہ بیگم کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس لیے اس کی پرورش اس کی دادی جناب عالیہ کر رہی ہیں۔

مرزا فلک قدر بہادر کی نسبت اپنی بہن کی بیٹی سے قرار دی۔

یہ ساری نسبتیں ''شاہ منزل'' کے مکان میں' جو دریا کے کنارے واقع ہے' قرار پائیں۔ اس کار خیر سے فارغ ہو کر میں بارگاہ رب العزت میں شکر بجا لایا۔ اس روز سے گانے بجانے کی محفلیں' مشاعرے اور جلسے میں نے اس اہتمام سے منعقد کروائے کہ ان مجالس میں شریک ہونے والوں نے کئی سال تک اس کا لطف محسوس کیا۔

(۱۱۵)

تین محلات کا امید سے ہونا

ایک وقت سنا گیا کہ نواب نشاط محل نخی بیگم صاحبہ' نواب سکندر محل صاحبہ اور نئے جلسے والی امراؤ بیگم کو حمل قرار پائے ہیں لیکن بعد میں یہ بات غلط نکلی۔ محض شبہ کی بنا پر ایسا سمجھا گیا تھا۔ اسی دوران میں میرے حکم سے نواب خورشید محل صاحبہ' نواب امیر محل صاحبہ اور عجائب خانم صاحبہ اندرون محل سے میرے ساتھ باہر مردانے میں آ گئیں لیکن شرم و حجاب کو دور کرنے کے بعد خدا جانے کیا جی میں آئی کہ دوبارہ پردے میں جا بیٹھیں۔ توبہ توبہ۔ اگر پردے میں جا بیٹھنا ہی تھا تو باہر نہ آنا چاہیے تھا۔ اگر باہر آ گئیں تو پھر پردے میں جا کر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عصمت و عفت کو بازیچۂ اطفال سمجھ

رکھا تھا۔

ایک روز لڑائی جھگڑے کے سلسلہ میں حضرت بیگم اور نواب سلطنت محل صاحبہ نے اپنے آدمی نالش کرنے کو بڑے صاحب کی کوٹھی پر بھیجے۔ لیکن وہ عین راستہ میں گرفتار کر لئے گئے۔ یہ کتنی نامعقول حرکت تھی کہ ایک غیر جگہ نالش ہو۔ سبحان اللہ دنیا کی عجیب حالت ہے۔

انہیں دنوں میں معشوقۂ خاص نے میری انگوٹھی کا گل کھانے کی خواہش کی۔ جب میں نے یہ بات منظور کر لی تو انجان ہو گئیں۔ اس واقعہ سے پتا چلتا ہے کہ دراصل انہوں نے دنیاداری سے کام لیا تھا۔ سلطنت کے زمانہ میں کئی ایک آدمیوں کی انہوں نے سفارش کی تھی۔ ایک روز ایک عورت کو نذر دینے کے لیے بھی پیش کیا تھا لیکن چونکہ وہ بدصورت تھی اس لیے میں نے اسے ناپسند کیا۔

ان بیگمات و محلات کی بے وفائیوں کے اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں اور میرے اس درجہ اقتدار دولت و ثروت اور صورت و سیرت اور متعدد خوبیوں کے باوجود ان لوگوں نے ایسا سلوک کیا' حالانکہ میری تعریف سے کئی کتابیں پر ہیں۔

اسی دوران میں میں نے رعایا کی دادخواہی کے لیے لکڑی پر چاندی کے صندوق نصب کروا کر اپنے سواروں کو دے رکھے تھے کہ جو شخص بھی اپنی درخواستیں اور عرضداشتیں ان میں ڈالے وہ سب جمع کر لے اور ہر روز میرے ملاحظہ میں پیش کی جائیں۔ انہیں میں ایک بند لفافہ دستیاب ہوا۔ جب اسے کھولا گیا تو نواب امراؤ صاحبہ اور دوسرے محلات کے متعلق عجیب عجیب واقعات تحریر تھے۔ چونکہ ہر روز میرا غم تازہ ہو جاتا تھا اس لیے شاہی مشغلہ میں عرض داشتیں وصول کرنے کا سلسلہ موقوف کر دیا۔

(۱۱۶)

سکندر محل سے عقد

خدا عالم الغیب ہے' میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نواب سکندر محل صاحبہ بڑی بے مثال

عورت تھیں۔ ایسی نیک عورتیں میں نے بہت کم دیکھی ہیں۔

ایک روز انہوں نے بڑے پیار سے عرض کی کہ "جانِ عالم! خدا کی عنایت سے میری تمام آرزوئیں پوری ہوگئیں۔ اب صرف تم سے نکاح کرنے کی شدید آرزو ہے۔" میں گریبان میں منہ ڈال کر بیٹھ گیا اور کہا کہ کیا میں اب اس قابل ہوں کہ نکاح کروں۔ محل کی تمام بیگمات اور بازاری لوگ کیا میرا مذاق نہ اڑائیں گے اور کہیں گے کہ نصیر الدین حیدر بادشاہ مرحوم کی طرح میں بھی پاگل ہو رہا ہوں' لیکن وہ بہ ضد تھیں میری بات ماننے کو تیار نہ تھیں۔ میں نے مجبور ہو کر یہ واقعہ جناب والدہ صاحبہ کی خدمت میں عرض کیا۔ موصوفہ نے ارشاد کیا کہ اس میں ہرج ہی کیا ہے۔

بالآخر نواب سکندر محل صاحبہ کو ایک کمرے میں بٹھا کر نکاح پڑھوایا۔ انہوں نے جشنِ شادی کی تیاری اور آراستگی کا معقول انتظام کیا۔ خوش آواز گانے والے گا رہے تھے۔ معشوقانِ سیم بر ناچ رہی تھی۔ صرف یہی نہیں انہوں نے چوتھی کی تقریب کا بھی کافی اہتمام اپنے حسبِ منشا کیا تھا۔

(۱۱۷)

محبوبۂ عالم اور دارا بیگم

ایک عورت مغل نامی اسی زمانہ میں میرے ہاں ناچنے والیوں میں آ کر نوکر ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس سے مجھے غیر معمولی عشق ہو گیا۔ انتہا یہ کہ میں دیوانے کی طرح اس کے اطراف رہتا تھا۔ وہ چونکہ ابھی نوجوان تھی اور سرد و گرم زمانہ کا اس پر ابھی کچھ اثر نہ ہوا تھا۔ اس لیے وہ بھی میرے کمندِ عشق میں گرفتار ہو کر میرے گھر بیٹھ گئی میں نے اسے محبوبۂ عالم نواب مغل صاحبہ کے خطاب سے سرفراز کیا۔ میری سرکار سے میوہ خوری کے لیے ماہانہ دو ہزار روپے مقرر ہوئے۔

چند ہی روز بعد ایک کسی عورت بھی میرے گھر بیٹھ گئی اور دارا بیگم صاحبہ کا خطاب

پایا لیکن قیصر بیگم اور خسرو بیگم کے اختلاف اور رشک وحسد کی بنا پر نکال دی گئی۔

(۱۱۸)

دولت خانہ قدیم میں اجتماع

پھر ایک بار میرا دل "پری خانہ" کی ترتیب اور اس کی از سرِ نو تنظیم کا خواہش مند ہوا۔ پری خانہ کا وہ پرانا جلسہ برباد ہو چکا تھا۔ چنانچہ قدیم خواصوں کو دولت خانہ آصفی اور بیچ محلّہ میں بلایا۔ چند کو آزاد کیا اور چند ایک کا نکاح کر دیا۔ بعض کو کربلائے معلّٰی جانے کی تمنا تھی۔ میں نے اجازت دے دی۔ ان میں سے دس پندرہ عورتیں' جو نہایت خوبصورت اور کم عمر تھیں' منتخب کر کے میں نے رکھ چھوڑیں اور انہیں رقص وسرود کی تعلیم میں مصروف کر دیا۔ وہ حسب ذیل عورتیں تھیں:

پسند السلطان عالیہ بیگم' جو اس سے قبل مرزا نصیر الدین حیدر کی لونڈی تھی اور میں اسے پسند کر کے لایا تھا اور اسے سرفراز کر کے میں نے دوبارہ موتی محل بھیج دیا تھا لیکن اس کے رونے دھونے سے پھر واپس بلا لیا تھا۔

حضرتِ والدِ ماجد حضرت جنت مکان کی تین لونڈیاں' نیاز السلطان ناز بیگم' عشرت پری اور گوہر پری اور بادشاہ بیگم کی خواصوں کے منجملہ ایک گلزار السلطان عباسی بیگم دوسری مصاحب پری' تیسری صاحب پری۔

ایک خواص میرے دادا حضرت فردوس منزل کی بھی تھی جس کا فرخ بیگم خطاب تھا۔

ایک عورت جو دارا بیگم خجستہ عالم نواب ہمایوں بیگم صاحبہ کے خطاب سے مخاطب تھیں۔ یہی ایک ایسی تھیں جو سب سے زیادہ عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں لیکن میں ان کی توقیر اپنے دل سے نہیں بلکہ قیصر بیگم اور خسرو بیگم اور دیگر بیگمات کی آتشِ رشک کو بھڑکانے کے لیے کرتا تھا۔

میرے دادا کی ایک خواص بھی تھی جس کا خطاب مرغوب السلطان عظیمہ بیگم صاحبہ تھا لیکن یہ دق میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئی۔

شاہ بخش اور الطاف بخش' جو میرے زمانہ ولی عہدی کی یادگار ہیں' ان میں سے ایک کو مطبوع السلطان شاہ بیگم اور دوسری کو عنایت السلطان الطاف بیگم کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ دونوں بیگموں اور پریوں کے زمرے میں شامل ہوئیں اور ناچ گانے کی تعلیم بھی حاصل کی۔

ان کی ماہانہ تنخواہ کسی کو ہزار روپے' کسی کو ڈیڑھ ہزار اور کسی کو پانچ سو روپے مقرر کی گئی۔

انہیں میں سے ایک مرزا نصیر الدین حیدر کی والدہ' مرحومہ نواب بادشاہ بیگم کی خواصوں میں سے پارو نام کی تھی۔ میرے پاس ارغوان پری کے خطاب سے سرفراز ہوئی۔

شوکت بخش اور نزہت بخش میری خواصوں میں شامل ہوئیں۔ ہر ایک کی تعلیم موسیقی کے لیے گانے بجانے والے سات سات استاد ملازم رکھے گئے۔

ذرا غور کرنا چاہیے کہ فنِ موسیقی کے جس قدر ماہرین میری سرکار میں ملازم رہے' وہ تمام کے تمام سارے شہر میں شہرتِ تامہ رکھتے تھے۔ دن رات حصولِ فن میں مشغول رہتے تھے۔

اس فن کی تعلیم پر جن عورتوں کو لگایا گیا تھا' وہ پہلے سے تربیت یافتہ نہیں تھیں لیکن تعلیم کے بعد بعض نے تھوڑا بہت علم حاصل کیا' بعض ماہرِ فن ہو گئیں اور بعض تو موسیقی کی الف بے سے بھی واقف نہ ہو سکیں۔

ان میں مصاحب پری کو میں نے خود اپنا شاگرد بنا لیا تھا۔ حقیقت میں اس کی تعلیم موسیقی میں میں نے اسی قدر سعی و جانفشانی سے کام لیا کہ چند ہی روز میں وہ اور عورتوں کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر ہو گئی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جلسہ جذبۂ عشق و ہوس کی تسکین کے لیے ترتیب نہیں دیا

گیا تھا' بلکہ ایک معمولی سی دلچسپی اور ان عورتوں کی پرورش کرنا منظور تھا۔

(۱۱۹)

بیگمات کا سلوکِ ناروا

اگرچہ قیصر بیگم اور خسرو بیگم ایک ساتھ بیگم کے درجہ کو پہنچی تھیں لیکن میری زیادہ تر توجہ قیصر بیگم پر تھی۔ رات دن میں پاگلوں کی طرح اس کے اطراف پھرتا تھا' جس جگہ وہ سوتی تھی میں بھی وہیں استراحت فرماتا تھا۔ وہ کھانا جہاں کھاتی میں بھی وہیں کھاتا۔ قیصر بیگم سے میری اس والہانہ محبت کو دیکھ کر خسرو بیگم اور حضرت بیگم بہت جلتی تھیں لیکن میں کسی کی کچھ پروانہ کرتا' اسی طرح رسمِ محبت کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول رہتا تھا۔ اس طرح قیصر بیگم کا ستارۂ اقبال مندی فلکِ چہارم پر ایک سال تک چمکتا رہا۔ میں نے ان کو ہزاروں روپے نقدی کے کاغذ دیئے نیز رہنے کے لیے جلال الدولہ مرحوم کا مکان بھی ان کی نذر کیا۔ عزت و توقیر کے جملہ لوازم سے انہیں سرفراز کیا گیا۔ اس طرح آئے دن ان کی محبت بڑھتی ہی جاتی تھی۔ انہیں بیگم سے مجھے سوزاک کا مرض لاحق ہوا۔ جب تک یہ مرض خفیف سا تھا میں ان کی اطاعت پر ہروقت کمربستہ رہتا تھا لیکن ان کی عادات وخصائل معشوقۂ خاص سے ملتی جلتی تھیں۔ اوصاف میں خسرو بیگم کی ہم خصلت تھیں۔ وہ کبھی ہنستی تھیں تو کبھی روتی تھیں۔ کبھی بے اعتنائی سے کام لیتیں' کبھی بے وفائی پر آمادہ ہو جاتیں۔

حضرت بیگم نے جو پہلے سے مجھ پر جان دیتی تھیں۔ اس قسم کی حرکتیں دیکھیں تو ایک روز مجھ سے کہنے لگیں "اب میں تمہارے گھر میں ہرگز نہیں رہ سکتی۔" میں نے بتیرا سمجھایا' بہت کچھ اطمینان دلایا لیکن وہ اپنی بات پر اڑی رہیں اور سواری منگوا کر اپنے مکان کی راہ لی۔ میں غم کھانے اور عالمِ حسرت ویاس میں آہیں بھرنے کے علاوہ کچھ اور نہ کر سکا۔

نشاط الدولہ غلام حیدر خاں داروغۂ اربابِ نشاط سے میں نے تاکید کی کہ دور دور سے حضرت بیگم کی خبر رکھی جائے۔ اس نے میرے حکم کے مطابق عمل کیا۔

جب حضرت بیگم اپنے گھر چلی گئیں تو میرا دل ان کی طرف سے پھر گیا اور ان کی ماں کے لیے بھی ایک مصیبت تھی۔ اس لیے کہ میرے خاطر ولحاظ کے لیے ان کی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ چند ماہ گزرنے کے بعد میں نے دیانت الدولہ بہادر کے ذریعہ انہیں مجبور کر کے اپنے گھر بلوایا۔ میں چونکہ حضرت بیگم کا عاشق تھا اس لیے انہیں چھوڑنے کو جی نہ چاہا۔ ورنہ ان کی طرح کی بے شمار عورتیں موجود تھیں۔ انہیں بلوا کر چند روز تک گانے والیوں کے زمرے میں شامل رکھا لیکن چونکہ ان کا دل میری طرف سے صاف نہیں تھا اس لیے میں بھی ان سے مکدر ہو گیا۔ پھر قیصر بیگم کی شکایت پر چند روز بعد حضرت بیگم صاحبہ کا قصور معاف فرمایا اور ان کو رتبۂ عالی پر پہنچایا۔

اسی زمانہ میں مجھے لارڈ صاحب کی ملاقات کے لیے کانپور کا بھی سفر کرنا پڑا تھا تمام محلات روزانہ میری مزاج پرسی کروایا کرتی تھیں لیکن نئی بیگمات میں سے ایک بھی میری پرسانِ حال نہ ہوئی۔ ان کی طرف سے دل پھر جانے کا ایک یہ بھی سبب تھا۔ دوسرا سبب یہ کہ باوجود میری اطاعت اور دلجوئی کے قیصر بیگم صاحبہ نے اپنی ماں کو بلا کر رکھا۔ میں نے ان کی اس خواہش کی تکمیل محض ان کی خوشنودی کے لیے کی تھی لیکن ان کو میری اتنی خاطر داری کافی نہ ہوئی۔ اسی طرح کا سلوک خسرو بیگم صاحبہ بھی کرتی تھیں۔

ایک روز سرِ شام محبوبۂ عالم اور حضرت بیگم کے ساتھ میں بگھی میں بیٹھا حضرت باغ کی سیر کر رہا تھا اور اس وقت حضرت بیگم میری آغوش میں تھیں اور ان سے میں پیار و محبت کی باتیں کر رہا تھا۔ یہ منظر محبوبۂ عالم کو سخت گراں گزرا اور وہ مضطرب ہو کر بگھی کے نیچے گر گئیں۔ اگر اس روز خدا کا فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو ان کی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔

(۱۲۰)

زہرہ بیگم سے عشق

ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے اور میں تمام عورتوں کو آزمانے کی جستجو میں لگا ہوا

تھا اور مختلف تدابیر اختیار کر رہا تھا کہ کسی ذریعہ سے بھی قیصر بیگم' خسرو بیگم اور دوسری بیگموں کی محبت ونفرت کے حالات کا انکشاف ہو۔ اگرچہ میں حضرت بیگم کے واقعات سے باخبر ہو چکا تھا لیکن کچھ انجان بنا رہتا تھا۔

ایک روز میں نے محض مذاق میں کہا کہ تم لوگ گر اپنے اپنے گھر چلی جاؤ تو میرے سر سے ایک بھاری بوجھ اتر جائے گا۔ یہ کلمات سنتے ہی حضرت بیگم اور دوسری عورتیں چلی جانے پر راضی ہو گئیں البتہ امراؤ بیگم جانا نہ چاہتی تھیں اس لیے کہ اس وقت وہ حاملہ تھیں۔ میں نے فی الفور سواریوں کا انتظام کروایا۔ تمام مصاحبوں وغیرہ نے سمجھانے کی کوشش کی لیکن میں نے کسی کی بات نہ مانی اور تمام بیگمات' جن میں محبوبہ عالم بھی تھیں' جنہوں نے میری محبت میں بگھی کے نیچے آ کر خودکشی کی کوشش کی تھی اور جن کے لیے میں نے پچاس روپے تصدق کے لیے مطیع الدولہ بہادر کے ذریعہ بھیجے تھے' چلی گئیں اور جاتے وقت اقرار کیا تھا کہ تمہاری خیر وعافیت معلوم کرنے کے لیے ہم اپنی کہاریوں اور ملازموں کو بھیجا کریں گے۔ مختصر یہ کہ مطیع الدولہ بہادر اور مصاحب الدولہ بہادر کے ساتھ کل بیگمات اپنے گھروں کو روانہ ہوئیں اور مجھ سے اقرار کرایا کہ "ہمارے جانے کے بعد ہماری مزاحمت کے لیے تمہارا کوئی کارندہ ہمارے گھر نہ آئے گا۔" میں نے ان کی یہ بات منظور کر لی۔

میں سمجھتا تھا کہ فی الواقع قیصر بیگم مجھ پر جان دیتی ہے۔ اس لیے کہ اس زمانہ میں اس نے طریقہ ہی کچھ ایسا اختیار کر رکھا تھا لیکن یہ سب کچھ دھوکا تھا' ان لوگوں نے اپنے اپنے گھر جا کر جھوٹے منہ بھی مجھے نہ پوچھا لیکن جب حضرت بیگم نے دیکھا کہ فائدہ اٹھانے کا یہ بہترین موقع ہے ایک روز صبح سویرے وہ اور ان کے ساتھ گلزار بیگم اور بادشاہ بیگم روتی دھوتی رضی الدولہ کے گھر پہنچیں اور مجھ سے لپٹ کر خوب روئیں اور کہنے لگیں "اب خواہ تم ہمارا سر ہی قلم کر دو۔ ہم تو تمہارا گھر چھوڑ کر نہ جائیں گے۔" میں نے انہیں گلے سے لگا لیا لیکن مجھے اس کا ملال ضرور تھا کہ یہ اس سے قبل بھی اسی طرح اپنے گھر جا کر واپس آ گئی تھیں۔ اب پھر اسی فعل کا اعادہ کیا ہے لہٰذا ان کے رونے کا مجھے زیادہ بھروسہ نہ تھا۔

قیصر بیگم کے متعلق میرے خیالات متزلزل ہو گئے۔ اگر چہ وہ اسی روز شام کے قریب آ ئیں لیکن میں نے ان پر کوئی خاص توجہ نہ کی۔ میں تو یہ سمجھے ہوئے تھا کہ وہ قیصر بیگم' جو ہر روز میرے ساتھ کھانا کھاتی تھی' وہ اپنے گھر میں ایک پل بھی نہیں رہ سکتی لیکن میرا یہ خیال بالکل غلط تھا۔

خسرو بیگم کے متعلق مطیع الدولہ بہادر نے بتایا کہ خدا جانے ان کی دادی کا پیام پہلے ہی سے ان کے پاس آیا ہوا تھا یا خود خسرو بیگم نے انہیں اپنے آنے کی اطلاع دے رکھی تھی۔ حالات تو بتاتے ہیں کہ خسرو بیگم ہی نے اپنے آنے کی خوشخبری کسی آدمی کے ذریعہ پہنچائی تھی' چنانچہ ان کی دادی روانگی کے دو چار گھنٹے پہلے ہی سے در دولت پر منتظر کھڑی تھی۔ جب خسرو بیگم سوار ہو گئیں تو فرط خوشی سے میں راستہ بھر فقیروں اور شہیدوں کو کوڑیاں لگاتا رہا۔ گھر جا کر جناب مشکل کشا کا دستر خوان کیا اور جناب عباس علیہ السلام کی نیاز کی اور اسی قسم کے چند اور رسوم خسرو بیگم کے گھر آنے کی خوشی میں ادا کیے گئے اور خسرو بیگم خود پھول کی طرح کھلی ہوئی تھیں۔ کبھی کسی کے گلے سے چمٹ جاتی تھیں' کبھی بے ساختہ ہنستی تھیں۔

محبوبہ عالم کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اپنے گھر جا کر خوش نہ ہوئیں۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ اسی قسم کی بات امتیاز بیگم کے متعلق بھی معلوم ہوئی۔

مجھے اس بات کا بے حد ملال ہے کہ ان سات آٹھ بیگمات میں سے ایک نے بھی میرا ہاتھ پکڑ کر یہ نہ کہا کہ میں تمہیں چھوڑ کر نہ جاؤں گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس روز سے تمام بیگمات کی طرف سے میرا دل پھر گیا اور میں نے کان پکڑے کہ آئندہ کسی کی محبت کا دم نہ بھروں گا۔ عورتوں سے میں اس قدر بیزار ہو گیا تھا کہ اگر کوئی عورت مر جاتی تو میں یہی کہتا کہ شاید قبر میں بھی کوئی فریب کرنے گئی ہوگی۔ جب تک اس مرنے والی عورت کا چہلم نہ ہو جاتا مجھے اس کے مرنے کا یقین نہ آتا۔

مختصر یہ کہ یہ سب بیگمات دوبارہ میرے گھر آئیں لیکن اصولاً جنہیں پہلے آنا چاہیے تھا وہ بعد میں آئیں اور جنہیں بعد میں آنا چاہیے تھا وہ پہلے آ گئیں۔ حضرت بیگم'

گلزار بیگم اور بادشاہ بیگم سب سے پہلے آئیں' حالانکہ قیصر بیگم' خسرو بیگم' امتیاز بیگم اور محبوبہ' عالم کو ان سے پہلے آنا چاہیے تھا۔

اگرچہ حضرت بیگم نے عیاری سے کام لیا تھا' یعنی وہ قیصر بیگم اور خسرو بیگم سے پہلے آئیں۔ اس لیے میں نے ان سے تھوڑی سی محبت کا اظہار کیا اور باقی کو ظاہرداری کے تحت اور قیصر بیگم کو جلانے کے خیال سے اپنے پہلو میں جگہ دی۔ جس وقت قیصر بیگم' خسرو بیگم اور محبوبہ' عالم آئی تھیں میں ان کی طرف ملتفت نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ان کو گلے سے بھی نہ لگایا' خاموش بیٹھا رہا۔ خاموش بیٹھنے کا یہ مطلب تھا کہ دیکھوں حضرت بیگم بادشاہ بیگم اور گلزار بیگم کے یہ کہنے کے بعد کہ اب ہم تمہارے گھر سے جانا نہیں چاہتے۔ یہ سن کر یہ کیا کہتی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ خسرو بیگم دوبارہ اپنے گھر جانے کی اجازت چاہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ میں کسی کے گھر نہیں پڑوں گی البتہ طوائفوں کے زمرے میں ملازم ہو سکتی ہوں۔ اسی طرح محبوبہ' عالم نے بھی کہا۔ کمال یہ ہے کہ وہ گلزار بیگم جس نے دوبارہ میرے گھر آنے میں پہل کی تھی' وہ بھی خسرو بیگم اور محبوبہ عالم کی ہم خیال تھی۔ البتہ حضرت بیگم اپنے وعدے پر قائم رہی۔

میں نے خود ان تینوں بیگمات کی زبان سے ان کی گفتگو سنی تھی۔ اس لیے مجھے بڑی تکلیف ہوئی اور دل سے کہا'' اے نالائق! جو واقعات پیش آئے ہیں دراصل تو اس کا مستحق تھا۔'' غرض ان کی بے وفائی اور کج ادائی سے زمین اور آسمان میری نظر میں تاریک ہو گئے' اور دونوں ہاتھوں سے اپنا دل پکڑ کے کہا'' اچھی بات ہے تمہاری جو مرضی ہو وہی کرو۔'' لیکن جب محسوس کیا کہ اب امتحان کی کسوٹی میرے ہاتھ میں ہے اور ان کو ان کی مرضی پر چھوڑ دینا دانش مندی کے خلاف ہے۔ ویسے میں نے اجازت تو دے دی لیکن چپکے سے مصاحبوں سے کہہ دیا کہ تم انہیں سمجھا کر دیکھو۔ اگر کوئی عورت فقیر کے گھر پڑے یا سپاہی کے گھر' وہ بھی گھر پڑنے کے بعد گھر سے باہر نہیں جاتی۔ تم لوگ تو ایک بادشاہ کے گھر پڑی ہو۔

اس طرح جب انہوں نے دیکھا کہ اب اطاعت کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے تو اپنا قصور معاف کرانے کے لیے میرے قدموں میں گر گئیں' چونکہ میں دوبارہ ان سے محبت کرنا بھی چاہتا تھا اس لیے راضی ہو گیا اور ان کا قصور معاف کیا۔ میری خواہش تھی کہ قیصر بیگم کو معشوقۂ خاص کی مدِ مقابل بناؤں اور ان کو ایسا مرتبہ بخشوں کہ تمام بیگمات اور محلات اور محبوباؤں کے مقابلہ یہ سبقت لے جائیں۔ چنانچہ میں نے محفل کی شرکت اور محلات کے جلسہ میں شرکت سے بھی منع کر دیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ خود یہ اپنے دل سے ان باتوں کی پابندی کریں لیکن انہوں نے اس کا کوئی لحاظ نہ رکھا۔ بھی کسی محل سے ربط و ضبط بڑھاتیں' کبھی کسی سے' خاص کر نواب سرفراز محل صاحبہ سے سلسلۂ ملاقات رکھتیں۔ وہ بھی ان دنوں باہر بیگمات میں شامل تھیں۔ ایک روز میں نے قیصر بیگم سے کہا کہ نواب سرفراز محل صاحبہ نے' جو کئی سال سے بے وفائی میں شہرت رکھتی ہیں' تم سے ملاقات بڑھائی' جو انتہائی غلط ہے۔ اس سے تمہاری طرف سے بھی بدگمانی پیدا ہونے کا امکان ہو سکتا ہے۔ دراصل نواب سرفراز محل صاحبہ جو بلا کی حاسد تھیں' اس جستجو میں تھیں کہ ان کی طرح دوسری بیگمات بھی خراب و بدنام ہو جائیں' لہٰذا بڑی محبت سے انہیں اپنے پاس بٹھا کر خاطر و مدارت کرتی تھیں۔

قیصر بیگم' سرفراز بیگم کی صحبت میں بڑی دلچسپی لینے لگیں لیکن یہ بات میرے خلاف طبع تھی' جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاہزادیوں کی نسبت کی تقریب میں سب محلات کے ساتھ بیگمات بھی ''شاہ منزل'' میں گئی تھیں لیکن انہیں بڑا ذلیل ہونا پڑا تھا۔ اس سے مجھے بھی تکلیف ہوئی تھی۔ جس وقت میں کسی صاحبہ محل کے پاس جاتا تو یہ بھی میرے ساتھ ہو جاتی تھیں۔ میں مختلف طریقوں سے انہیں سمجھاتا اور منع کرتا لیکن وہ باز نہ آتیں۔ میں یہ بھی کہتا رہا کہ اب میرا دل صاحبات محل کی طرف سے سیر ہو چکا ہے۔ صرف دنیاداری اور مصلحت ہے جو ان سے ملتا ہوں۔ تمہارا وہاں جانا مناسب نہیں' بلکہ کیا عجب کہ تمہاری توہین ہو۔ اس لیے کہ میں جس محل کے پاس جاؤں گا اس کی خاطر بھی کروں گا۔ اس وقت تمہارا مجھے کوئی

خیال نہ ہوگا' اگر یہ بات تمہیں قبول ہو تو بے شک تم میرے ساتھ چلو۔
وہ تو سب کچھ قبول کر کے جاتی تھیں لیکن ایسی باتوں کی وجہ سے میرا دل نئے جلسے کی طرف سے بھر گیا۔
انہیں دنوں ایک اور عورت میرے گھر پڑی' جس کو زہرہ بیگم کے خطاب سے ممتاز کیا گیا۔ اسی زمانہ میں میں نے اپنے کان پکڑے کہ آئندہ سے ہرگز کسی عورت سے عشق نہ کروں گا۔

(۱۲۱)

شدید علالت

اس زمانہ میں قیصر بیگم کے طفیل میں سوزاک کے مرض میں گرفتار ہو گیا اور آئے دن یہ مرض ترقی پر ہی رہا۔ سارے زخموں میں آگ کی سی جلن ہوتی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ محبوبوں اور گلرخوں کے دل کو بھی ملال رہتا تھا اور پھر میں نے دل سے کہا جبکہ مجھ میں کوئی عیب ہی نہ تھا اور صحت مند و توانا تھا تو تیرا کون پرسان حال تھا' جواب پیدا ہوگا۔ عجیب اتفاق ہے کہ بالکل ایسی ہی صورت پیش آئی یعنی ایک روز محبوبۂ عالم نواب مغل صاحبہ نے جب مجھے ہاتھ لگایا تو خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ انہوں نے آٹے اور بیسن سے اپنے ہاتھ دھوئے۔ یہ دیکھ کر مجھے رونا آ گیا۔ صرف اتنا ہی نہیں انہوں نے پھر میرے قریب آ کر کہا ''خدا تم کو شفا دے۔ بڑا موذی مرض ہے۔ اس کے مریضوں کو لکڑی میں باندھ کر روٹی دی جاتی ہے اور اس کے جسم کو چھونا بھی نقصان کا باعث ہے۔ چنانچہ اسی لیے میں نے اپنے ہاتھ دھو لیے۔'' یہ سن کر میں چپکا ہو رہا اور ایک الگ جگہ جا کر خوب سا رو دیا۔ اس دن کے بعد سے میں نے شہنشاہ منزل بند کر دی اور کسی کو بھی اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔ دوسری بیگمات نے حاضر ہونے کے لیے بہت تنگ کیا لیکن محبوبۂ عالم کی حرکت کا ایسا اثر تھا کہ اب میں کسی کو سامنے نہ آنے دیتا تھا۔ اس بات کا میں نے کسی سے ذکر بھی نہ کیا۔ اس

لیے کہ میں واقعی ایسے ہی خطرناک مرض کا شکار تھا۔ مرض کم ہوتا تو کجا روز بروز ترقی پر تھا' رات رات بھر زخموں سے بے تاب ہو کر جاگتا رہتا تھا۔ بے چینی کے سبب سے پلک نہ لگتی تھی۔ کئی مرتبہ سہل حب سلاطین کھائی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کئی بار باسلیق کی فصد لی پھر بھی صحت نہ ہوئی۔

یہ واقعہ ۱۸۶۵ء کا ہے اگرچہ زخم اور دنبل سوکھ گئے تھے اور پرہیز بھی باقاعدہ جاری تھا لیکن تکلیف میں کوئی کمی نہ تھی' آخر خود اپنی رائے سے حضرت سید الشہداء کے چہلم کے دنوں میں میں نے مجلس سے فارغ ہو کر کٹی ہوئی ہڑ کھالی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے خفقان بھی ہونے لگا۔ آگے کیا بیان کروں۔ عجیب حال ہو گیا تھا میرا۔ جسم کے تمام کپڑے پھاڑ ڈالے' اس کے دوسرے روز غش بھی آ گیا۔ میری آنکھیں بند رہیں' میرے سارے متعلقین اور وہ محلات' جو نیک اور شریف تھیں' رونے پیٹنے لگیں اور وہ سب رات بھر اپنے ہاتھوں پہ رکھے رہتے تھے لیکن میں بالکل غافل تھا۔ کیا کیا مجھ پر گزری کچھ خبر نہیں۔

اس دن سے آج کے دن تک دو ماہ کا عرصہ ہو گیا۔ اسی طرح دنبل نکل آتے ہیں پھر سوکھ جاتے ہیں۔ اسی بلا میں گرفتار ہوں۔ مجھے دنیا کی کچھ خبر نہیں' کبھی ہوش میں آتا ہوں تو شعر و شاعری کا شغل کرتا ہوں لیکن کچھ دیر بعد پھر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور تمام اعضائے جسم یہاں تک کہ آنکھ اور منہ بھی بید کی طرح لرزتے ہیں۔ اتنا بھی قرار نہیں کہ نماز پڑھ سکوں' خدا رحم کرنے والا ہے۔

واللہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ میری اسی شدید علالت کے زمانہ میں اکثر محلات تماشائیوں کی طرح ادھر ادھر پھرتی تھیں اور نئے نئے کپڑے زیب تن کر کے دن بھر رقص و سرود میں مشغول رہتی تھیں۔ اب کس کس طرح جتاؤں۔ میں نے جب لوگوں کی یہ بے مروتی دیکھی تو باوجود اتنے شدید مرض کے رضی الدولہ کے مکان چلا گیا تاکہ ہم مجلسوں اور معشوقوں کی چشمک زنی سے نجات ملے۔ میں بیماری کی حالت میں ہوں اور وہ انتہائی صحت مندی کے عالم میں۔ پھر بھی جب کبھی میں ہوش میں آتا ہوں تو سب محلات

کو اپنے پاس بلا لیتا ہوں یا کبھی خود ہی زنان خانہ میں چلا جاتا ہوں۔

اسی دوران میں قیصر بیگم صاحبہ کو بھی اسی مرض نے آ گھیرا۔ ان کا جسم بھی زخموں میں بھر گیا (اصل میں انہیں کا مرض مجھے لگ گیا تھا) لیکن دو تین ماہ بعد وہ اچھی ہو گئیں لیکن میں ہنوز بیمار ہوں۔

پھر معلوم ہوا کہ امتیاز بیگم کو بھی یہی عارضہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ تادم تحریر اس مرض کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ وہ کبھی ہوش میں آتی ہیں' کبھی ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔

حضرت بیگم صاحبہ اور محبوبۂ عالم صاحبہ نے اس بیماری میں بھی اپنا ظالمانہ برتاؤ جاری رکھا اور طرح طرح کے صدمے دیتی رہتی تھیں۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت بیگم صاحبہ نے میرے عین شدتِ مرض میں مجھ سے جھگڑا کیا اور اپنے گھر چلی گئیں اور وہاں ایک تولہ افیم کھالی۔ یہ دوسرا صدمہ تھا جو مجھے سہنا پڑا۔ میں مجبور ہو کر آدمیوں کے سہارے ان کے گھر گیا اور بڑی خوشامد کے بعد توبہ کروائی۔ آخر فضلِ الٰہی ہوا۔

زمانۂ علالت کا ایک واقعہ اور ہے کہ محبوبۂ عالم اور خسرو بیگم صاحبہ تیسری مرتبہ مجھ سے چھپ کر سیر و تفریح کے لیے گاڑی میں سوار ہو کر گئیں اور مجھے اطباء کے حوالے کر دیا۔ ایک وہ دن تھا کہ میں ان کے بغیر کبھی سیر تماشے کا خیال بھی نہ کرتا تھا۔ ایک یہ دن ہے کہ مجھے علیل چھوڑ کر اور مجھے بتائے بغیر لطف اٹھانے کے لیے چلی جاتی ہیں اور میں ہوں کہ مرض کی شدت کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔

اسی دوران میں محبوبۂ عالم صاحبہ نے اس شرمندگی کے باعث کہ مجھ سے چھپ کر سیر کو گئی تھیں اور میری ساری محبت کو یک لخت بھول گئی تھیں "گل معرکہ" یعنی میرا نقرہ اپنی بائیں ران پر کھایا۔ اگرچہ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن اس سے نفسِ معاملہ میں کیا فرق پڑتا ہے۔

ابھی تک حضرت بیگم اور محبوبۂ عالم میرے ساتھ دھوکہ بازی کیے جاتی ہیں' کبھی لڑتی ہیں' کبھی سمجھوتہ کر لیتی ہیں۔ ایک روز نواب خاص محل صاحبہ کی موجودگی میں مجھے بڑا

سخت سست کہا لیکن میں خاموش ہوگیا۔ جب وہ تین روز میرے پاس رہتی تھیں تو تین روز کسی دوسری جگہ رہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کل مومنین و مومنات، مسلمین و مسلمات کو دغا باز عورتوں سے محفوظ رکھے۔ اسی زمانہ میں میں نے موسیقی کے کل ساز و سامان سے بیزاری کا اظہار کیا اور اب تک کبھی گانے کی آواز میرے کانوں میں نہیں پہنچی۔ اس بیزاری کی وجہ سے میرا سارا پری خانہ برباد ہوگیا۔ اس سے متعلق ملازمین بھی موقوف کر دیے گئے۔ سارا شاہی اسباب ضائع ہوگیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ہم ہیں اور گوشہ ہے اور عارضۂ قلبی ہے
خداوند تعالیٰ جلد سے جلد صحت عطا فرمائے۔

(۱۲۲)

مرزا فلک قدر کی رحلت

عین میری علالت کی حالت میں مرزا فلک قدر کے انتقال کی خبر وحشت اثر سنی۔ یہ فرزند میرا ولی عہد تھا اور مرضِ دق میں مبتلا تھا۔ آخر اسی مرض میں اس جہانِ فانی سے رخصت کی۔

میں کیا بتاؤں مرض کی شدت سے میری کمر جھک گئی۔ اس حالت میں غم کا آسمان مجھ پر پھٹ کر گرا لیکن اب صبر و شکر کے سوائے کیا بھی کیا جائے۔

(۱۲۳)

نواب سکندر محل صاحبہ کی موت

تھوڑے ہی دن گزرے تھے ایک اور وحشت افزا خبر سنی گئی کہ معشوقۂ باوفا نواب سکندر محل صاحبہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ یہ میری محل تھیں اور عارضۂ دق میں مبتلا تھیں۔ جس وقت یہ خبر میرے گوش گزار ہوئی اس وقت میرا دل خون بن کر آنکھوں کی راہ سے نکل آیا۔ اس

وفادار دوست کا غم بھی عجیب تھا کہ بیان کرنا بھی مشکل ہے۔

(۱۲۴)

آرام السلطان کا سانحہ

چند روز بعد ایک اور حادثہ پیش آیا۔ ہر لحظہ مجھے راحت پہنچانے والی آرام السلطان اسم بامسمے مرضِ سل میں مبتلا ہوئی اور تین ماہ بعد انتقال کر گئی۔ اس سانحہ سے میری عجیب حالت ہے۔ کبھی آسمان کی طرف دیکھتا ہوں، کبھی استغفار کرتا ہوں۔ خدا اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

(۱۲۵)

وفادار اور بے وفا معشوق

معشوقۂ خاص ملکہ ماہِ عالم نواب سلطنت محل صاحبہ، محبوبہ خاص جانِ جاناں عاشق نما، نواب دلدار محل صاحبہ، حبیبۃ السلطان مکرمۃ الزمانی نواب سکندر محل صاحبہ، خورشید لقا نواب امیر محل صاحبہ، ملکہ ملک تاج النساء، نواب معشوق محل صاحبہ، نشاط محل نواب ننھی بیگم صاحبہ، خورد محل نواب عمدہ بیگم صاحبہ، نگار محل صاحبہ، سیدۃ النساء حیدری بیگم صاحبہ، یہ سب درمیانی درجہ کی وفادار عورتیں ہیں۔ ان کے علاوہ جو باقی رہتی ہیں وہ سب بے وفا ہیں۔ واللہ عالم بالصواب۔

آٹھ نئی بیگمات میں بھی کسی کو میں وفادار نہیں کہہ سکتا۔ میں متوقع ہوں کہ جو کوئی بھی یہ "بے وفائی نامہ" ملاحظہ کرے گا وہ عورتوں کی محبت سے گریز کرے گا، اپنا روپیہ ان پر برباد نہ کرے گا، کیونکہ اس کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ ان عورتوں کو اگر حضرت یوسف علیہ السلام بھی مل جائیں تو اپنی بے وفائی کو نہ چھوڑیں۔ اس لیے ان سے دور رہنا ہی مناسب ہے۔

مجھ جیسے بادشاہ صورت و سیرت میں یکتا' جس کی تعریف میں کتابیں لکھی گئی ہیں' باوجود ناز برداریوں کے' کچھ خوف نہ کریں تو دوسروں کے ساتھ کیا نہ کریں گی۔

(۱۲۶)

ولی عہدی کا خلعت

مرزا فلک قدر بہادر جنت آشیاں نے جب خلعتِ ولی عہدی کو چھوڑ کر آٹھ سال کی عمر میں بقا کی راہ لی اور مسندِ ولی عہدی خالی رہی تو ماتم داری کے بعد میں نے ان کے چھوٹے بھائی مرزا کیوان قدر بہادر کو ولی عہدی کا خلعت اور نورِ چشم مرزا فریدوں قدر بہادر کو' جو ملکہ تاج النساء نواب معشوق محل صاحب کے بطن سے ہیں' جرنیلی کا خلعت عنایت کیا۔ جس دن یہ خلعت دیے گئے تھے وہ چندرہ ماہِ شعبان یعنی امامِ ہمام کی پیدائش کا دن تھا' خدا مددگار رہے۔

(۱۲۷)

چند عجیب واقعات

محبوبۂ عالم نواب مغل صاحبہ اور مطلوب السلطان حضرت محل صاحبہ بلا وجہ رضی الدولہ کے مکان میں میرے ساتھ سکونت رکھتی تھیں اور دوسری بیگمات کی آمد و رفت بالکل موقوف تھی۔

ایک روز سب بیگمات نے اتفاق کیا اور لکڑی کا ایک زینہ لگا کر کوٹھے پر چڑھ آئیں اور دروازے اور تالے توڑ تاڑ کر بڑی مشکلوں سے میرے پاس آ گئیں۔ جب میں نے دیکھا کہ ان کی دل جوئی میں حضرت بیگم صاحبہ بھی میرے ہاتھ سے نکلی جاتی ہیں تو مجبوراً حضرت بیگم صاحبہ کی تواضع و مدارت کو ضروری سمجھا اور حالات سے مجبور ہو کر ان پانچ عورتوں سے یعنی معشوق السلطان خسرو بیگم صاحبہ' عاشق السلطان ممتاز عالم نواب قیصر بیگم صاحبہ'

حضور السلطان امراؤ بیگم صاحبہ' انجمن السلطان زہرہ بیگم صاحبہ اور محبوب السلطان بادشاہ بیگم صاحبہ' جو تالے توڑ کر آئی تھیں' نفرت کرنی پڑی۔ اس لیے اب ان کی صورت بھی دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

عاشق السلطان ممتاز عالم نواب قیصر بیگم صاحبہ میری اس شدید علالت کے باوجود ناچ گانے کی اجازت طلب کرنے لگیں۔ اسی طرح معشوقۂ خاص ملکہ ماہ عالم نواب سلطنت محل صاحبہ نے ان کے ساتھ بیٹھ کر گانا سننے کی خواہش کی۔ میری تندرستی کے زمانہ میں ان چیزوں کی کوئی ممانعت نہ تھی' اور ان میں سے جس عورت کا بھی جی چاہتا تھا سازندوں کی سنگت میں گانے بجانے کی اجازت تھی لیکن اب جو عین بیماری کی حالت میں اس قسم کی خواہش کی تو میں نے انکار کر دیا لیکن ان کم بختوں نے میرے انکار کے باوجود اپنا گانا بجانا جاری کر دیا۔

یہ حرکت وزیر الملک نواب صاحب بہادر علی نقی خاں کو بہت بری لگی کہ آقا تو تکلیف میں مبتلا ہے اور یہ لوگ خوشیاں منا رہے ہیں' لہٰذا انہوں نے سخت پابندی لگا دی کہ کوئی شخص گانے بجانے والوں اور سازندوں میں سے حضور کی اجازت بغیر محلات اور بیگمات کے ہاں حاضر نہ ہو۔ جب اس پابندی پر سختی سے عمل کیا جانے لگا تو کئی قسم کی مشکلات آ پڑیں۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ مجھ سے ناچ گانے کی اجازت طلب کرنے لگیں۔ مجھے یہ بات بھی سخت ناگوار گزری۔ اس لیے کہ دنیا کا قاعدہ ہے اگر عورت ہندو کے گھر پڑتی ہے تو ہندو مذہب ہی اختیار کرتی ہے' اگر مسلمان کے گھر پڑتی ہے تو دین اسلام ہی اختیار کرتی ہے پھر کیا سبب ہے کہ میں جن امور سے روکتا ہوں اور بیمار ہوں لیکن یہ لوگ اپنی سی کرتی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ عورتیں کینہ پرور ہیں' غالباً خدا سے دعا مانگ رکھی تھی کہ اگر میں بیمار پڑوں تو یہ اسی قسم کے اشغال میں مصروف ہوں۔

یہاں تک کہ قیصر بیگم صاحبہ کہنے لگیں "مجھے تمہارے پاس رہنا منظور نہیں ہے یا تو ہمیں رقص و سرود کی اجازت دو یا پھر اپنے گھر سے جانے کی ہمیں منظوری دو۔" آخر میں نے

مجبور ہو کر چلے جانے کی اجازت دے دی لیکن خدا جانے پھر کیا سوچا کہ وہ نہیں گئیں۔

جب اس غرض کو لے کر یہ پانچوں بیگمات میری رہائش گاہ' جو رضی الدولہ کے مکان کے نام سے مشہور ہے' آئی تھیں' میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس پر وہ کہنے لگیں ''ہم لوگوں کی خاطر و تواضع کرو' اس لیے ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔'' لیکن حضرت بیگم صاحبہ کی خواہش تھی کہ صرف ان کی خاطر داری ہو اور ان کے پاس کوئی آئے جائے نہیں۔ جب اس جھگڑے نے طول پکڑا اور تمام بیگمات مذکورہ مکان میں رہ پڑیں تو برابر پانچ روز تک دن رات لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اس دوران میں محبوبۂ عالم نواب مغل صاحبہ نے کئی مرتبہ برا سامنہ بنا کر اور میرے روبرو کھڑے ہو کر کہا ''مجھے تمہاری بیماری کی کوئی پروا نہیں ہے۔'' میں نے صرف آسمان کی طرف دیکھا اور چپ ہو گیا۔ ایک روز دیکھا کہ میرے منع کرنے کے باوجود محبوبۂ عالم تاش کھیل رہی تھی۔ یہ فعل بھی میرے دل کو دکھانے کا باعث ہوا۔

ان لوگوں کی طرف سے فی الواقع جب جی بھر گیا تو ایک روز زبردستی تمام بیگمات کو اپنے گھر سے نکال دیا اور محل میں بھیج دیا' البتہ حضرت محل میرے ساتھ رضی الدولہ کے مکان میں رہ گئیں۔ جب وہ سب اس طرح نکالی گئیں تو کالے سانپ کی طرح بل کھانے لگیں۔ ادھر حضرت محل کہنے لگیں ''تم نے اگر مجھ سے ملنا چھوڑ دیا تو خدا کی قسم میں اپنی جان کھو بیٹھوں گی۔'' بالآخر ان کے اور میرے مابین یہ طے ہوا کہ جو میری مرضی ہو وہ میں کروں اور جو ان کی مرضی ہو وہ کریں۔

ایک روز عیدالضحیٰ کے موقع پر جناب والدہ صاحبہ کے مجرے اور نذر کے لیے میں ''بادشاہ منزل'' گیا۔ اس وقت حضرت بیگم میرے ساتھ تھیں۔ وہاں تمام بیگمات اور محلات کے ساتھ محفل رہی۔ آخر میں رات کے وقت تمام بیگمات معہ اپنے عمال کے' جن کی تعداد تین چار ہزار تھی جمع ہوئیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آج رات حضرت بیگم کو سب کے سامنے ذلیل کیا جائے۔ چنانچہ تمام راستوں اور دروازوں پر اپنے آدمیوں کو بٹھا دیا کہ آمد و رفت

بند کر دی جائے۔ جب حضرت بیگم کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خودکشی کے خیال سے ایک چھری مجھ سے چھپا کر ساتھ رکھ لی۔ میں پہر رات گزرنے کے بعد والدہ صاحبہ سے اجازت لے کر تانجان پر سوار ہوا۔ جب تانجان کو کہاریاں اٹھانے ہی والی تھیں کہ حضرت بیگم نے کہا ''اے جان عالم! میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' میں چونکہ حالات سے لاعلم تھا' اس لیے کہا' بسم اللہ آ جاؤ۔'' بیگم مذکور تانجان پر سوار ہو کر میرے داہنی جانب بیٹھ گئیں۔ کہاریوں نے ابھی تانجان اٹھایا ہی تھا کہ معشوق السلطان اور محبوبہ عالم جھپٹ کر آئیں اور چاہا کہ حضرت بیگم کو کوڑے مار کر تانجان سے نیچے گرا دیں۔ دفعتاً دو چار عورتوں نے تانجان کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ پھر محبوبہ عالم چاہتی تھیں کہ کوڑے کا تسمہ حضرت بیگم کے گلے میں ڈال کر انہیں نیچے گرا ئیں۔ عین اس وقت حضرت بیگم نے میان سے خنجر نکالا اور چاہا کہ اپنے سینے میں گھونپ لیں' میں نے خنجر اور ان کے سینہ کے درمیان اپنا ہاتھ رکھ دیا' یہ عجیب مشکل کا وقت تھا جس کا لکھنا محال ہے۔

آخر کار ہزاروں کوششوں کے بعد جناب والدہ صاحبہ درمیان میں پڑیں اور کافی بحث و تمحیص اور سعی و کوشش کے بعد اس بات پر فیصلہ ہوا کہ میں روزانہ سات گھنٹے حضرت بیگم صاحبہ کے پاس رہوں گا اور ایک گھنٹہ ان سب بیگمات کے ساتھ گزاروں گا۔ چنانچہ اس وقت سے اب تک یہی عمل جاری رہا ہے۔ جناب والدہ صاحبہ کی طرف سے ایک ملازم آتا ہے۔ میں اس کے ساتھ ان پانچویں بیگمات کے پاس جا کر ایک گھنٹہ گزار کر واپس آتا ہوں لیکن حضرت بیگم صاحبہ کو یہ بھی گوارا نہیں اور میرا دل بھی ان بے وفاؤں سے ملنا نہیں چاہتا لیکن آئندہ دیکھا جائے گا کیا صورت ہوتی ہے۔ اسی زمانہ میں معلوم ہوا کہ حضور السلطان امراؤ بیگم صاحبہ نے ایک امام باڑہ میری چوری سے خریدا ہے لیکن چونکہ اس میں کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا' جس کی وجہ سے مجھے اس کی خبر ہو گئی۔ بعد میں میں اس بات پر ان سے ناراض ہو گیا۔

(۱۲۸)

جہاں آراء بیگم کا سانحہ

اسی زمانہ میں ۲۹/ذی الحجہ ۱۲۶۵ھ کو ایک غمِ تازہ نصیب ہوا یعنی اس آیتِ کریمہ کے بمصداق کل نفس ذائقة الموت و یبقی وجه ربک ذوالجلال و الاکرام. لختِ جگر جہاں آراء بیگم صاحبہ، جو فضہ حبش کے بطن سے تھیں اور وہ میرے جلوسِ میمنت میں پیدا ہوئی تھیں، تین سال کی عمر پا کر انتقال کر گئیں۔ اس غم سے میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور اس تیرِ ماتم سے دل و جگر پارہ پارہ ہو گئے۔ خداوند تعالیٰ اس مرحومہ کو اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے۔

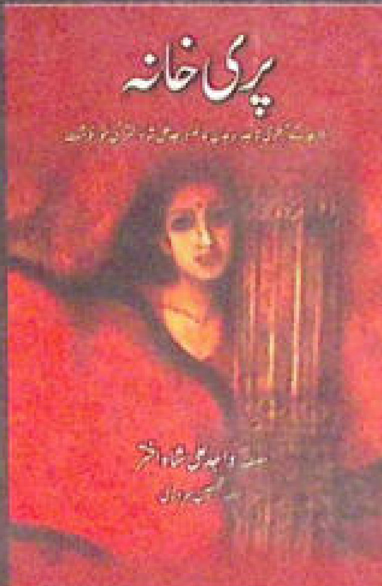
پری خانہ

قطعۂ تاریخ

چوں کتابِ عشق نامہ شد تمام
گردشِ تصنیفِ خود با دولتے
گفتم اختر مصرعِ تاریخِ آں
کردم از احوالِ نسواں فرصتے

۱۲۶۵ھ

ختم شد



پری خانہ

اودھ کے آخری تاجدار جانِ عالم واجد علی شاہ اختر کی شخصیت تاریخ میں ہمیشہ ایک نزاعی مسئلہ رہی ہے۔ وہ ایک عیاش حکمران تھے۔ عورت ان کی بدترین کمزوری تھی۔ راگ رنگ کی محفلیں اور گردشِ جامِ دوسبوان کا مشغلۂ حیات تھا۔ وہ اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کے مالک، خوش گو شاعر، علم و ادب کے سرپرست اور فنونِ لطیفہ کے شیدائی تھے۔

جانِ عالم کیا تھے یہ خود ان کی زبانی سنیئے۔ اپنی حرم سرا کی خودنوشت داستان میں انہوں نے فرانس کے انقلابی مفکر روسو کی طرح بڑی بے باکی سے اپنی کمزوریوں کا اعتراف کیا ہے۔

العصر پبلیکیشنز
5-شوکت پلازہ B/16 ٹیمپل روڈ صفانوالہ چوک لاہور
فون 7005287 -042
ای میل alasrpublications@yahoo.com